

سماعۃ الشیخ عبداللہ بن محمد بن حمید رئیس مجلس القضاء الاعلیٰ والرئیس العام للمجمع الفقہی کی کتاب

” حکم اللحوم المستوردة وذبائح اهل الكتاب وغيرهم“

کا اردو ترجمہ اسمعیٰ بہ

درآمدہ گوشت کی شرعی حیثیت (عرب و امریکہ، یورپ و افریقہ اور ہر جگہ کے مسلمانوں کیلئے)

ترجمہ

ابو عدنان محمد منیر قمر

ناشر

توحید پبلیکیشنز، بنگلور - انڈیا



معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِیْقِ الْإِسْلَامِیِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

اشاعت کے دائمی حقوق بحق مترجم محفوظ ہیں

درآمدہ گوشت کی شرعی حیثیت

سماحۃ الشیخ عبداللہ بن محمد بن حمیدؒ

شیخ ابوعدنان محمد منیر قمر نواب الدین حفظہ اللہ

ابوصفیہ شاہ دستار و زاہد محمود

۱۴۲۵ھ ، ۲۰۰۴ء

توحید پبلیکیشنز، بنگلور (انڈیا)

❖ نام کتاب

❖ مصنف

❖ مترجم

❖ کمپوزنگ

❖ کور ڈیزائن

❖ طبع دوم

❖ تعداد

❖ ناشر

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
30	مجهول الحال کے لیے شرعی قواعد	3	فہرست مضامین
31	مشتبہ سے اجتناب کے دلائل	5	تقدیم
33	① امام نووی		مقدمہ بقلم فضیلۃ الشیخ الحافظ
34	② علامہ ابن رجب		ثناء اللہ خان خرنج الجامعہ الاسلامیہ
34	③ امام خطابی		بالمدینہ المنورہ شیخ الحدیث جامعہ
35	④ صاحب بذل المجہود	8	لاہور الاسلامیہ
37	مسلمان اور کتابی کے لیے شرائط ذبح	14	خطبہ و تمہید
37	① شیخ الاسلام ابن تیمیہ	17	ذبح قرآن کریم کی رو سے
38	② امام ابن قدامہ	18	ذبح: سنت رسول ﷺ کے آئینہ میں
40	شیخ ابن محمود اور علمی امانت کی خلاف	21	ذبح: اجماع امت کی نظر میں
	ورزی		
41	اہل کتاب اور حرمت ذبیحہ	21	① امام ابن قدامہ
41	جمہور آئمہ	22	② امام قرطبی
42	① ملا علی قاری	23	حکمت تخصیص مقام ذبح
43	② امام ابن کثیر	26	ایک غلط فہمی
43	③ علامہ ابن قیم	27	اس غلط فہمی کا ازالہ
46	ایک اہم سوال اور اس کا جواب	27	③ علامہ باجی
46	اول	28	مجهول الحال کا حکم

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
68	بجوسی کا ذبیحہ۔۔۔۔۔؟	47	دوم
68	① امام ابن قدامہؒ	48	بہیں ایں تقاض را
68	② امام قرطبیؒ	49	غلط قیاس
69	③ امام ابن کثیرؒ	50	اجماع امت کے خلاف
69	④ علامہ ابراہیم حربیؒ	52	خلاصہ
69	ایک متکلم فیہ روایت	53	بوقت ذبح جانور پر احسان کا حکم
70	اولاً	56	کیمونسٹ ممالک کے گوشت کا حکم؟
70	ثانیاً	58	ڈبوں میں پیک ملنے والا گوشت
70	ثالثاً	60	① حافظ ابن حجر عسقلانیؒ
71	⑤ امام ابن تیمیہؒ	60	② امام نوویؒ
71	پہلی دلیل	60	③ امام رافعیؒ
72	دوسری دلیل	61	④ امام خطابیؒ
73	تیسری دلیل	61	خلاصہ کلام
73	چوتھی دلیل	63	ایسے گوشت کے مضر اثرات
74	ایک شبہ	63	① علامہ قاسمیؒ
74	اسکا ازالہ	63	② علامہ مہامیؒ
77	ایک باطل استدلال	64	③ علامہ برہان الدین بقاعیؒ
		65	محل نظر استدلال
		66	عام کفار و مشرکین کا ذبیحہ؟



تقدیم (طبع اول)

سعودی عرب کے علمی حلقوں سے واقف حضرات کے نزدیک ان کے کثیر علماء میں سے تین عالم ایسے ہیں جن کا تجربہ علمی اور تعمق نظری انتہائی قابل رشک اور مثالی ہے۔ وہ نہ صرف سعودی عرب و مشرق وسطیٰ بلکہ پورے عالم اسلام میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ تشنگانِ علم و معرفت انکی علمی نگارشات سے مستفید و مستفیض ہو رہے ہیں۔ مَدَّاللّٰهُ فُیُوضْهُمْ انہی علماء افاضل میں سے ایک زیر نظر کتاب کے مؤلف سہامۃ الشیخ عبداللہ بن محمد بن حمید ہیں جو وفات تک سعودیہ کی سپریم جسٹس کونسل کے ”چیف جسٹس“ امور میں شریفین کے رئیس اور فقہ اکیڈمی کے صدر رہے ہیں۔

انہوں نے بلادِ اسلامیہ خصوصاً خلیج عرب، یورپ و امریکہ اور افریقی ممالک بلکہ ہر جگہ کے رہنے والے مسلمانوں کو درپیش اہم مسئلہ ”درآمدہ گوشتوں کی شرعی حیثیت“ کے موضوع پر قلم اٹھایا اور شرعی دلائل، کتاب و سنت اور اجماع صحابہ ﷺ کے ساتھ ساتھ مذاہبِ ائمہ، اقوال علماء اور آثارِ معتمدہ کی روشنی میں بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ ان کی یہ کتاب ”حکم اللّٰحوم المستوردة“ فاضل رفقاء جناب حافظ مقبول احمد صاحب (۱) (رکن سعودی اسلامک مشن برائے متحدہ عرب امارات، دبئی) اور جناب الشیخ عبداللہ قادری بخش سلفی صاحب (۲) (واعظ بوزارۃ العدل والشؤون الاسلامیۃ والاوقاف، شارجہ) جن سے مختلف خطبات و دروس کے بعد متعدد بار انہی گوشتوں کے متعلق سوال کیا جا چکا تھا، انھوں نے رغبت ظاہر کی کہ میں اس کتاب کا ترجمہ کردوں تاکہ ہمارے اردو خوان

(۱) موصوف وفات پا چکے ہیں۔ رَحِمَہُ اللّٰہُ رَحْمَہً وَّاسِعَہً

(۲) عرصہ ہوا موصوف پاکستان منتقل ہو چکے ہیں اور کئی دینی ادارے چلا رہے ہیں جنکے لیے انھیں بکثرت عرب ممالک آنا پڑتا ہے۔ وَفَّقَنَا اللّٰہُ وَآیَاہُ لِکُلِّ خَیْرٍ

درآمدہ گوشت کی شرعی حیثیت

حضرات بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ عربوں کی نسبت یہ مسئلہ ہمیں زیادہ درپیش ہے کیونکہ عرب صاحب ثروت ہیں اور مہنگا ہونے کے باوجود اکثر تازہ گوشت یا مچھلی کھاتے ہیں جبکہ ہماری اکثریت کا انحصار زیادہ تر بیرونی ممالک سے امپورٹ (Import) کیے گئے گوشتوں پر ہوتا ہے کیونکہ وہ مقامی مذبوہ گوشت کی نسبت سستے مل جاتے ہیں۔

زمان و مکان کی اہم ضرورت اور برادر علماء کرام کی رغبت کے پیش نظر حکم اللحوم المستوردة کا ترجمہ کیا جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اسی دوران برطانیہ کے شہر برمنگھم سے شائع ہونے والے اپنے جماعتی اردو موقر مجلہ ماہنامہ ”صراطِ مستقیم“ کے مدیر مسئول الأخ الفاضل الشیخ محمود احمد صاحب میرپوری (۱) (ایم۔ اے)؛ فاضل مدینہ یونیورسٹی (کو موضوع تالیف کی اطلاع دی تو انہوں نے جمادی الثانیہ ۱۴۰۱ھ الموافق اپریل ۱۹۸۱ھ جلد ۴ شمارہ ۱۰، وابعاد میں اسکے خلاصہ کو قسط وار شائع کیا۔ کیونکہ گلف کی طرح ہی یورپ وغیرہ میں رہنے والے مسلمان بھی اس مسئلہ سے دوچار ہیں۔

یہاں ایک بات کی طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جو سننے میں آرہی ہے اور ایسے حالات و احکام پر کچھ لوگ کہا ہی کرتے ہیں کہ لو صاحب! فلاں چیز مباح نہیں، اُس شے کا کھانا جائز نہیں اور فلاں گوشت حلال نہیں تو پھر کھائیں کیا؟ اور جائیں کہاں؟ یہ بات شاید کچھ لوگوں کے دل لگتی ہو مگر اس سے ہزار درجہ زیادہ نہ صرف دل لگی بلکہ اللہ لگی بات یہ ہے کہ مسلمان جو حلال و حرام کی ترغیب و ترہیب سے تھوڑا سا بھی واقف ہے اُس کی زندگی کا مقصد صرف یہ دن پورے کرنا نہیں کہ چاہے کسی طرح بھی پورے کر لیے، بلکہ وہ اسلام کا ایک ذمہ دار فرد، ایک مسلمان اور مسلم وغیر مسلم کے مابین شرف و امتیاز کے پیمانوں سے واقف ہوتا ہے۔ اِس دنیا کو آخرت کی کھیتی اور زندگی کو اس میں بویائی کا موسم سمجھتا ہے۔ وہ ممنوع اشیاء سے مکمل دست کشی تو قبول کر سکتا ہے مگر ناجائز خوش خوری بلکہ حرام خوری گوارا (۱) موصوف بھی ایک ٹریفک حادثہ میں وفات پا چکے ہیں۔

درآمدہ گوشت کی شرعی حیثیت

نہیں کرتا۔ اور یہ سمجھنا کہ ساری دنیا کھا رہی ہے، اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوتی تو یہ لوگ کیوں کھاتے۔ بھی یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ مسلمان کیلئے عوام کی کثرت کا قول و فعل حجت نہیں بلکہ اس کے لیے تو صرف کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا قول و عمل ہی جواز اور عدم جواز کی بنیاد ہو سکتے ہیں نہ کہ عوام کی کثرت کا قول و فعل۔

حُسنِ اتفاق سے پچھلے دنوں برصغیر کی عظیم دانشگاه جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے مدیر تعلیم استاذی المکرم جناب حافظ ثناء اللہ خان صاحب (۱) (ایم۔ اے، فاضل مدینہ یونیورسٹی) وزارت اوقاف کی دعوت پر متحدہ عرب امارات آئے تو موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اس کتاب کا مسودہ ان کی خدمت میں پیش کیا جسے دیکھنے کے بعد عدیم الفرستی کے باوجود انہوں نے ایک جامع و مانع مقدمہ بھی تحریر فرمادیا۔ فَجَزَاهُ اللَّهُ خَيْرًا

ناسپاسی ہوگی اگر اپنے مخلص بزرگ الشیخ محمد صالح الکندی (موظف الشؤون الاسلامیة بوزارة الدفاع و مدیر مکتبہ و دارالمطالعہ الاسلامیہ۔ شارجہ) کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے اس کتاب کی طباعت وغیرہ کے تمام اخراجات کا انتظام کیا۔ (۲)

اللَّهُ أَسْأَلُ أَنْ يُؤَفِّقَنَا لِمَا فِيهِ الْخَيْرُ، وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ،
متحدہ عرب امارات

۲۹ جمادی الثانیہ ۱۴۰۱ھ

۳ مئی ۱۹۸۱ء

پوسٹ بکس نمبر: ۳۰

ترجمان ام القیوین کورٹ

(۱) عرصہ ہوا ہے کہ موصوف جامعہ فیصل آباد سے جامعہ لاہور الاسلامیہ میں منتقل ہو چکے ہیں۔

(۲) اسی مقدمہ طبع اول کو کافی سمجھتے ہوئے اس سلسلہ میں نئے سرے سے لکھنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوئی بلکہ یہی مقدمہ طبع دوم بھی ہے۔

ابوعدنان محمد منیر قمر نواب الدین

ترجمان سپریم کورٹ الخبر و داعیہ متعاون

مراکز دعوت و ارشاد، الدمام، الخبر، الظہر ان

الخبر۔ سعودی عرب

۱۴ شوال ۱۴۲۳ھ

۷ دسمبر ۲۰۰۳ء



مقدمہ

فضیلہ الشیخ الحافظ ابو نصر ثناء اللہ خان صاحب
ایم۔ اے (پنجاب) فاضل مدینہ یونیورسٹی مدیر التعليم جامعہ سلفیہ فیصل آباد
(حالیہ شیخ الحدیث جامعہ لاہور الاسلامیہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبٰی بَعْدَهُ
اسلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے بنی نوع انسان کیلئے آخری پیغام ہدایت ہے اس
لیئے اس کے جملہ قوانین اور قواعد و ضوابط بھی دائمی ہیں۔ انسانیت کی فلاح و بہبود اُن کی
پابندی میں مضمر ہے اور اسی کے سبب ہی ہر فرد دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی سے ہمکنار
ہو سکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي
الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (آل عمران: ۸۵)
”جس نے اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو پسند کیا وہ اس سے قبول
نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں
سے ہوگا۔“

شرع متین میں حلت و حرمت کا مسئلہ بنیادی و اصولی مسائل میں شمار ہوتا ہے
جسے کتاب و سنت میں مکمل شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ المائدہ، سورۃ

الانعام اور سورة النحل وغیرہ میں زیر بحث مسئلہ کو متعدد آیات میں کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے اور کُتب حدیث میں بے شمار روایات و آثار ہیں جن میں حَلَّتْ وَحُرِّمَتْ کے مسائل کی وضاحت کی گئی ہے۔ موضوع ہذا کی اہمیت کے پیش نظر ائمہ حدیث نے عموماً اور آئمہ اصول سنیہ نے بالخصوص اپنی اپنی تصانیف لطیفہ میں ان مسائل پر باقاعدہ کُتب اور تراجم و ابواب وغیرہ قائم کیے تاکہ مسائل کی حیثیتِ اصلِ مکمل طور پر سامنے آ سکے اور اس پر مستزاد یہ کہ فقہاء امت نے بھی اس میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں چھوڑی بلکہ اس کی تمام جزئیات کا احاطہ کرنے کی کامیاب سعی فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کی کتابوں میں سے المغنی لابن قدامہ، شرح المہذب، فتح القدیر اور المدوّنہ سرفہرست ہیں۔

شریعت اسلامیہ میں اکلِ حلال کی نہ صرف ترغیب دلائی گئی ہے بلکہ عدمِ اہتمام کی صورت میں سخت وعید بھی سنائی گئی ہے۔ جان بوجھ کر اکلِ حرام کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ غَذِيَ بِالْحَرَامِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ))

”جس نے حرام کی غذا سے نشوونما پائی، اس پر اللہ نے جنت حرام

کردی ہے۔“

اسی بناء پر بنی نوع انسان کے مختلف طبقات کو علیحدہ علیحدہ اکلِ حلال کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یوں راہنمائی فرمائی گئی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ (سورة المؤمنون: ۵۱)

”اے رسولو! حلال و طیب اشیاء سے کھاؤ اور عملِ صالح کرو۔ بیشک

جو کچھ تم کرتے ہو تمہارے اُن اعمال کو اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے۔“

درآمدہ گوشت کی شرعی حیثیت

اور مومن مسلمانوں کو حکم ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ
وَأَشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِنَاءً تَعْبُدُونَ﴾

(سورة البقرة: ۱۷۲)

”اے ایمان والو! ہماری دی ہوئی حلال و پاکیزہ اشیاء میں سے کھاؤ
اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اُسی ہی کی عبادت کرتے ہو۔“
اور بالعموم سب انسانوں کو حکم ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا﴾

(سورة البقرة: ۱۶۸)

”اے لوگو! زمین کی حلال و پاکیزہ اشیاء کھاؤ“

نبی اکرم ﷺ نے اس حقیقت کی وضاحت کے لیے یوں مثال دی ہے کہ ایک
شخص پراگندہ حالت اور بکھرے ہوئے بالوں والا پریشانی کے عالم میں خالق کائنات کو
پکارتا ہے: يَا رَبِّ يَا رَبِّ - جبکہ

((مَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذَيِّ

بِالْحَرَامِ فَإِنِّي يُسْتَجَابُ لَهٗ)) (صحیح مسلم)

”اس کا کھانا، پینا اور پہننا مال حرام سے ہے۔ اُس کی دعاء کیسے قبول ہو؟“

افعالِ مکتبہ کا اثر انسان کے ظاہر اور باطن پر پڑتا ہے۔ اسی بناء پر

ربوبی (بودی) معاملات کرنے والے کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي

يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

درآمدہ گوشت کی شرعی حیثیت

”جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں کھڑے ہوتے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسے شیطان آسیب سے باولا کرتا ہے۔“

اور ایک حدیث میں ہے:

((لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَكْلَ الرِّبَا وَمُوكَلَّةَ وَكَاتِبَةَ

وَشَاهِدِيهِ وَقَالَ: هُمْ سَوَاءٌ)) (صحیح مسلم)

”رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور شہادت دینے

والوں پر لعنت فرمائی، اور فرمایا یہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔“

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے بارہ درہم کا کپڑا

خریداجن میں سے ایک درہم بھی حرام کا ہے تو اُس شخص کی عبادت قبول نہیں ہوتی؟

اسلام نے طہارت اور ورع و تقویٰ کا اس حد تک حکم دیا ہے کہ مشتبہ اشیاء تک

سے بھی اجتناب کی تاکید کی ہے تاکہ مسلمان کا ظاہر و باطن مکمل طور پر صاف شفاف شیشے

کے سانچے میں ڈھل جائے۔ صحیح حدیث میں ہے:

((مَنْ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدْ اسْتَبْرَأَ دِينَهُ وَعِرْضَهُ))

(متفق علیہ)

”جو شبہات سے بچا، اس نے اپنے دین و عزت کو آلودگی سے بری کر لیا۔“

دوسری روایت میں ہے:

((دَعْ مَا يُرِيْبُكَ إِلَىٰ مَا لَا يُرِيْبُكَ))

(نسائی، ترمذی۔ حدیث ”صحیح“)

”مشکوک چیز کو چھوڑ کر غیر مشکوک چیز کو اپناؤ۔“

اصحاب ذوق، اہل تجربہ اور حکماء کے ہاں معروف ہے کہ آدمی جس نوع کا

گوشت استعمال کرتا ہے طبیعتِ انسانی بھی عادات و خصائل کے اعتبار سے ویسی ہی ہو جاتی ہے۔ اسی بناء پر مشہور ہے کہ خنزیر کا گوشت کھانے سے بے حیائی جنم لیتی ہے۔ وہ اس لیے کہ اس کی جھٹ میں یہ خصلتِ بد موجود ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ اس کا گوشت کھانے والی اقوام میں بے حیائی کا عنصر موجود ہے۔

دمِ مسفوح (بہہ جانے والے خون) کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جانور سے عدمِ اخراج کی صورت میں کئی قسم کے امراض کا سبب بنتا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بعض وہ جانور جن میں دمِ مسفوح مفقود ہے انہیں بلا ذبحِ حلال قرار دیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے:

((أَجَلْتُ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ فَالْجُرَادُ وَالْحُوتُ وَأَمَّا الدَّمَانِ فَالْكَبُ وَالطَّحَالُ)) (حدیث)

”ہمارے لیے دو مُردے اور دو خونِ حلال کیے گئے ہیں۔ مُردے:

ٹڈی اور مچھلی ہیں اور خون: کبھی اور تلی ہیں۔“

اس طرح کی حکمتوں اور مصالح کے ادراک کے لیے حیاۃ الحیوان اور حُجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ انتہائی مفید ہے۔

دوسری جانب انتہائی پریشان کن اور تکلیف دہ حقیقت یہ ہے کہ بلادِ اسلامیہ میں بالعموم اور عرب میں بالخصوص گوشت اور مذبحہ جانور جو بیرونی ممالک سے درآمد کیے جاتے ہیں، ان کا اکثر و بیشتر حصہ بلادِ گُفرا شترا کی اور کیمونسٹ ممالک سے منگوایا جاتا ہے جن کے بارے میں یہ تاثر کرنا بھی قریب قیاس نہیں کہ وہ اسلامی شریعت کے مطابق جانوروں کو ذبح کرتے ہوں گے، جبکہ ان کے اساسی عقائد اور بنیادی نظریات ہی غیر اسلامی ہیں۔

کل ۲۶ رجب الثانی ۱۴۰۱ھ کے روزنامہ الفجر، جو متحدہ عرب امارات سے

شائع ہوتا ہے، اس میں خبر آئی ہے کہ راس الخیمہ میں اس حقیقت کا انکشاف ہوا ہے کہ فرانس سے آنے والی مرغیاں بلا ذبح ہیں۔ اسی طرح روزنامہ الخلیج کی خبر ہے کہ العین (ابوظہبی) میں ایک شخص نے مرغیوں کا کارٹون کھولا ہے تو اس میں سے ایک مرغی بلا ذبح مردہ نکلی جبکہ کارٹونوں پر مَذْبُوحَةٌ عَلَى طَرِيقَةِ الشَّرِيعَةِ الْإِسْلَامِيَّةِ بھی لکھا ہوتا ہے جو صرف دھوکہ ہوتا ہے۔ لہذا اسلامی حکومتوں کو چاہئے کہ بلا کفر سے ذبیحوں کی درآمد سے احتراز کریں اور اپنے ہاں افزائش نسل کے معقول انتظامات کریں، جبکہ رپ کریم نے انہیں اپنی رحمت سے مادی وسائل سے بھی خوب نوازا ہوا ہے، اُن کو بروئے کار لائیں۔

درآمدہ ذبیحوں کے متعلق ساحتہ الشیخ عبداللہ بن محمد بن حمید رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”حکم اللّٰحوم المستوردة“ میں تمام مشقوں پر خوب سیر حاصل بحث کی ہے۔ میں تفصیل اُنہی پر چھوڑتا ہوں۔ امید ہے کہ قارئین اس میں اپنے کافی شکوک و شبہات کا ازالہ پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے تلمیذ رشید محمد منیر قمر ترجمان ام القیوین کورٹ کو جس نے کتاب ہذا کو اردو کے قالب میں ڈھالا ہے تاکہ اردو خوان حضرات بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔ وَاللّٰهُ وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ / الرّاقم

ثناء اللہ عیسیٰ خاں

مدرس جامعہ سلفیہ، فیصل آباد، پاکستان، حال وارد اشارقہ

تحریر آئی ۱۴۰۱/۴/۲۷ھ (حالیہ شیخ الحدیث جامعۃ لاہور الاسلامیہ)



الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ وَأَشْهَدُ
أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ إِلَهٌ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَقَيُّومُ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِينَ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَرْسَلَهُ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ وَحُجَّةً عَلَى
الْعِبَادِ أَجْمَعِينَ الْمَخْصُوصَ بِجَمَاعِ الْكَلِمِ وَسَمَاحَةِ الدِّينِ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَلَى
آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَائِرِ النَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ وَآلِ كُلِّ وَسَائِرِ الصَّالِحِينَ. أَمَّا بَعْدُ:

تمہید:

میں نے اس مختصر کتابچہ میں قطر کے رئیس الحاکم الشرعیہ والشؤون الدینیہ الشیخ
عبداللہ بن زید بن محمود کے رسالہ میں پائی جانے والی بعض اخطاء و اغلاط کا نوٹس لیا ہے۔
بلاشبہ ہر کسی کا مقصود دلیل کی رو سے حقیقت کی تہہ کو پہنچنا ہے۔ شیخ ابن محمود نے ایک رسالہ
لکھا ہے جس کا نام تو ”فصل الخطاب فی اباحۃ ذبائح اهل الكتاب“ رکھا ہے
لیکن اس میں صرف اہل کتاب کے ذبائح کو مباح کہنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ
اشتراکیوں (Communists) مرتدوں (Apostates) مشرکوں (Polytheists) بت پرستوں (Idolaters) اور ایسی ہی دیگر کافرا قوام
تک تجاوز کر گئے ہیں۔

مسلمان کے ذبیحہ پر گفتگو کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

”ہمارے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں جس سے ثابت ہو کہ ذبح کا انحصار و
اقتصار حلق اور رگ کاٹنے پر ہی ہے جیسا کہ فقہاء نے یہ شرط عائد کی
ہے، بلکہ یہ تو ایک عادت تھی جو زمانہ جاہلیت اور اسلام میں چل نکلی۔“

ایسی ہی دیگر کئی باتیں کہی ہیں، جن کا مفصل تذکرہ آگے آ رہا ہے۔ اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ۔ شیخ ابن محمود نے اپنے رسالہ کے مقدمہ میں لکھا ہے:

”بیشک اس رسالہ میں ایسے فقہی حقائق و دقائق ہیں جو آپ کو کسی دوسری کتاب میں سے نہیں ملیں گے، مگر یہ وسیع علم، گہرے مطالعہ اور

فقہائے مذاہب کی قیود سے آزادی کے مرہون منت ہیں“

اس جملہ میں علمی وسعت اور فقہی بصیرت جیسی خود ستائشی پر دلالت کرنے والی عبارت سے قطع نظر دوسری کئی باتیں محل نظر ہیں۔ سچ ہی تو فرمایا ہے کہ اس رسالہ میں ذبح کا حلق و رگ کاٹنے پر مشروط نہ ہونا اور بے دین لوگوں کے ذبح کردہ گوشت کا مباح ہونا اور ایسی ہی جو دوسری باتیں موجود ہیں یہ آپ کو اس رسالہ کے علاوہ کہیں سے نہ ملیں گی۔ کیونکہ ابن محمود کے قائم کردہ اس میزان کے خلاف تمام مسلمانوں کا اتفاق و اجماع ہے جس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔ اِنْ شَاءَ اللہ

انہوں نے ”فقہائے مذاہب کی قیود سے آزادی“ کے متعلق جو کہا ہے، کیا اس سے اُن کی مراد یہ ہے کہ فقہائے مذاہب راہ ہدایت پر نہ تھے؟ حالانکہ آج تک مسلمان ان سے نقل کرتے چلے آ رہے ہیں اور جب ان کا کلام کتاب و سنت کے شرعی دلائل سے تائید یافتہ ہو تو اسے حُجّت مانتے چلے آ رہے ہیں۔ کیونکہ فقہاء نے ہمارے لیے فقہ السنۃ بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کی ہے۔ دلائل قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ سے احکام کا استنباط کیا ہے اور نصوص کی مدد سے احتیاط و احتراز اور حدود و قیود کی تعیین کی ہے۔

پھر انہوں نے اپنے ہی قول ”فقہائے مذاہب کی قیود سے آزادی“ کے ساتھ بھی وفا نہیں کی بلکہ امام ابن العربی مالکی سے بلا دلیل نقل کیا ہے اور صاحب المنار (علامہ محمد رشید رضا) کی تفسیر و فتاویٰ سے اور دیگر کئی افراد سے نقل کیا ہے جیسا کہ آئندہ صفحات میں آ رہا ہے۔

ص ے پر مُردار، خون، خنزیر کے گوشت، غیر اللہ کے نام ذبح کیے گئے جانور، گلا گھٹنے، اور چوٹ لگنے سے مرنے والے جانور کی حُرمت پر دلالت کرنے والی آیت کا ﴿الَا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾ تک ذکر کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں:

”تمام نوع بشر کے لیے یہ عام خطاب الہی ہے، چاہے وہ کسی بھی نام سے پہچانے جاتے ہوں، اور اُن کے ہاں جانوروں کو ذبح کرنے کا طریقہ چاہے جو بھی ہو، جبکہ ہمارے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں جو ذبح کو حلق و رگ کاٹنے پر مشروط و مُنصر قرار دے۔ جیسا کہ فقہاء کرام نے شرط عائد کی ہے۔ سوائے اس کے کہ زمانہ جاہلیت اور اسلام میں یہ صرف ایک عادت بن گئی تھی۔“

وہ مزید کہتے ہیں:

”ذبح کی یہ کیفیت کھال کے صحیح و سالم بچ جانے اور محفوظ رہنے کے لیے نہایت مناسب ہے، جبکہ اُن کے ہاں کھال کی بڑی قیمت و اہمیت ہوتی تھی یہاں تک کہ وہ مُردہ جانوروں کی کھالیں بھی اتار لیتے اور ان سے انتفاع کرتے تھے۔“

شیخ ابن محمود کا کہنا ہے کہ ذبح کیلئے حلق و رگ کو کاٹنا ایک عادت کے سوا کچھ نہیں، جس پر زمانہ جاہلیت اور عہد اسلام میں لوگ چل نکلے، اور ذبح کے حلق و رگ کاٹنے پر مُنصر ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ اس طرح گویا جانور کا سر پھوڑ کر یا پیٹ پھاڑ کر کسی بھی طریقہ سے اُسے ذبح کر لیا جائے تو اس کا گوشت کھانا جائز ہوگا۔ شائد ان کی نظر میں یہی وہ ”فقہی دقائق“ ہیں جنہیں آپ اُن کے رسالہ کے علاوہ کہیں نہ پائیں گے۔ بلاشبہ یہ بات قرآن و سنت اور اجماع امت کے خلاف ہے۔

ذبح ☆ قرآن کریم کی رو سے

قرآن پاک میں فرمانِ الہی ہے: ﴿إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ...﴾ ”مگر وہ جسے تم نے پاک کر لیا“۔ جب مطلقاً الذکۃ کہا گیا ہو تو یہ حلق اور رگ کاٹنے پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے علاوہ حلق کے دائیں بائیں موجود دونوں رگوں کو کاٹنا بھی شامل ذبح ہے جیسا کہ علماء کی ایک جماعت کا قول ہے۔

معروف مفسر قرآن امام قرطبی نے کہا ہے: ”کلامِ عرب میں بقولِ قطرب الذَّكَاةُ (أَيُ الذَّكِيَّةِ) ذبح کرنے کو کہا جاتا ہے اور لغت میں الذَّكَاةُ کا اصل تمام و کمال ہے۔ عمر کا تمام اسی سے ہے اور عمر تمام و کمال کو پہنچا ہوا گھوڑا (الْفَرَسُ الْمَذَكِيُّ) اُس وقت ہوتا ہے جب وہ پنج سالہ ہو جائے۔ یہ عمر اس کی قوت کی تکمیل کے لیے بدرجہ کمال ہوتی ہے۔ گویا ذَكَّيْتُمْ کا معنی یہ ہوا کہ جسے تم مکمل ذبح کر لو۔ ذَكَّيْتُ الذَّيْحَةَ أَذَكَّيْتُهَا، یہ التَّطْيِبُ سے مشتق ہے۔ کہا جاتا ہے: (رَائِحَةُ ذَكِيَّةٍ) ”تیز پھیلنے اور منتشر ہونے والی خوشبو“۔ جب جانور کا خون بہہ جائے تو وہ عمدہ و خوشبودار ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ جلد سٹنا، سکڑنا شروع ہو جاتا ہے۔

محمد بن علی رحمہ اللہ سے مروی حدیث میں ہے:

((ذَكَاةُ الْأَرْضِ يُبْسُهَا))

”زمین کی طہارت و پاکیزگی اُس کا خشک ہو جانا ہے۔“

ان کی مراد نجاست سے زمین کی طہارت ہے۔ پس مذبوح جانور میں ذکاة اس کی تطہیر اور کھانے کے لیے اباحت ہے۔ نجاست پڑنے کے بعد زمین کے خشک ہو جانے کو اس کی تطہیر قرار دیا گیا ہے اور وہاں نماز پڑھنے کی اباحت، ذبیحہ کے لیے ذبح کی ہی طرح

ہے، اور یہ اہل عراق کا قول ہے۔

جب یہ بات طے ہوگئی تو یاد رکھیے کہ شرعی اعتبار سے ”کسی جانور کا خون بہانے، مذبوح کی رگیں کاٹنے، منخور کے نحر کرنے اور غیر مقدور علیہ (بس سے باہر جانور) کی کھونچیں کاٹنے کا نام ذبح ہے۔“ جبکہ نیت میں اللہ تعالیٰ کا قصد ہو اور اس کا نام بھی لیا (بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہا) جائے۔

ذبح ☆ سنتِ رسول ﷺ کے آئینہ میں

کُتبِ حدیث میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

((مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذَكَرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ فُكُلٌ، لَيْسَ السِّنُّ وَالْظُّفْرُ)) (متفق علیہ، صحیح بخاری: ۲۴۸۸)

”جس کا خون بہا دیا گیا اور اُس پر اللہ کا نام بھی لیا گیا ہو اُسے کھاؤ دانت اور ناخن سے ذبح نہ کرو۔“

نبی ﷺ کے فرمان ((مَا أَنْهَرَ الدَّمَ ...)) سے وہ ذبیحہ مراد ہے جس کا خون بہہ گیا اور کافی مقدار میں بہا۔ اس خون کے بہنے کو نہر میں پانی کے چلنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور خون کا اس طرح بہنا حلق و رگ کاٹنے اور اونٹ کو نحر کرنے کے بغیر ممکن نہیں۔ اور نحر کا مطلب سینے اور گردن کے درمیانی چھوٹے سے گڑھے میں نیزہ مارنا ہے۔ امام دارقطنی وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے جس میں مذکور ہے:

((بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بُدَيْلَ بْنَ وَرْقَاءَ الْخَزَاعِيِّ عَلَى جَمَلٍ أَوْ رَقٍّ يَصِيحُ فِي فَجَاجٍ مِنِّي أَلَا إِنَّ الذَّكَاءَ فِي الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ))

”رسول اللہ ﷺ نے حضرت بُدیل بن ورقاء خزاعی کو خاستری

اونٹ پر بھیجا جو وادی منیٰ میں باوازِ بلند یہ اعلان کر رہے تھے کہ خبردار!

ذبح کا تعلق حلق اور لہ (جائے نحر) سے ہے۔“

یہ حدیث جانور کے محلِ ذبح اور موضعِ نحر کی تعیین پر صریح دلیل ہے۔ اس کی تائید

المعجم الاوسط للطبرانی کی وہ حدیث کرتی ہے جس میں حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے

ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَذْبَحُوا بِكُلِّ شَيْءٍ فَزَيَّ أَوْدَاجَ مَا خَلَا السِّنَّ وَالظُّفْرَ))

”دانت اور ناخن کے علاوہ کسی بھی چیز کے ساتھ رگیں کاٹ کر ذبح کرو۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے:

((نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ شَرِيطَةِ الشَّيْطَانِ وَهِيَ الَّتِي

تُذْبَحُ فَيَقْطَعُ الْجِلْدَ وَلَا تُفَرِّى الْأَوْدَاجُ ثُمَّ تَتَوَكَّحُ حَتَّى

تَمُوتَ)) (ابوداؤد)

”رسول اللہ ﷺ نے ”شریطہ شیطان“ سے منع فرمایا۔ اور ”شریطہ

شیطان“ یہ ہے کہ جانور کو ذبح کرنے کے لیے اسکی رگیں نہ کاٹی

جائیں بلکہ صرف کھال کاٹ کر اسے چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ وہ

مر جائے۔“

امام سعید بن منصور نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک حدیث

بیان کی ہے جسمیں ہے:

((إِذَا أَهْرِيقَ الدَّمُ وَقُطِعَ الْوُدْجُ فَكُلْهُ))

”جب جانور کا خون بہہ جائے اور اس کی رگ کٹ گئی ہو تو اسے کھاؤ۔“

اس کی سند مجید ہے۔ اور امام مالک مؤطا میں یہ حدیث لائے ہیں کہ نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے:

((مَا فَرَى الْأَوْدَاجُ فَكْلَهُ))

”جس کی رگیں کٹ گئی ہوں، اسے کھاؤ۔“

الْوَدَجَانُ سے مراد وہ دو رگیں ہیں جو حلق کے ساتھ ہوتی (اور غصے کے وقت پھول جاتی) ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں۔ ”ذبح کا تعلق حلق اور لہ سے ہے۔“ حضرت ابن عباس، ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہم کا کہنا ہے: ”اگر حلق سے ذبح کی ابتداء کی ہو اور اتفاقہ طور پر سرتن سے جدا ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، ہاں عمداً ایسا نہ کیا جائے۔ اگر عمداً حلق کی بجائے گدی کی طرف سے ذبح کیا گیا ہو تو اس کا گوشت نہیں کھایا جائے گا چاہے سر کٹ گیا ہو یا ساتھ ہی رہا ہو۔“ مختصراً (بخاری فی باب النحر والذبح، رزین)

یہ اس وقت تک ہے کہ جانور کے زندہ ہوتے ہوئے حلق ورگ تک نہ پہنچ جائے۔ اگر حلق ورگ تک پہنچ گیا اور جانور کی موت سے پہلے پہلے انہیں کاٹ دیا تو اس کا کھانا مباح ہے جیسا کہ اہل علم نے طے فرمایا ہے۔

گذشتہ سطور سے ثابت ہوا کہ ذبح کا اعتبار و انحصار بعض امور پر ہے اور ان امور کی بجا آوری کے بغیر جانور کا گوشت حلال نہیں ہوتا۔ اس پر نسائی و دارمی کی حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ والی حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَحِلُّ الْمُجْتَمَةُ))

”جُثْمَ (باندھ کر تیر سے مارے گئے جانور) کا گوشت حلال نہیں۔“

اور انہی دونوں کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کردہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

((نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْمُجْتَمَةِ))

”رسول اللہ ﷺ نے جُثْمَ (کسی جانور کو باندھ کر اس پر تیر اندازی

کرنے) سے منع فرمایا ہے۔“

امام ترمذی نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے اس طرح حدیث بیان کی ہے:

((نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ أَكْلِ الْمُجْتَمَةِ وَهِيَ الَّتِي تُصَبَّرُ

لِلنَّبْلِ))

”رسول اللہ ﷺ نے جُثْمَ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ اور جُثْمَ

اُس جانور کو کہا جاتا ہے جسے باندھ کر تیر وغیرہ مار کر چھوڑ دیا جائے۔

(یہاں تک کہ وہ سسک سسک کر مر جائے)۔“

یہ حدیث ایسے جانور کا گوشت حرام ہونے کی صریح دلیل ہے۔ کیونکہ اُس میں

ذبح کی شرائط پوری نہیں کی گئیں۔ بلکہ ان کے بغیر ہی اُس کی موت واقع ہو گئی ہے۔

ذبح۔۔ اجماع امت کی نظر میں

تمام علماء امت کا اس بات پر کُلّی اتفاق ہے کہ محلّ ذبح حلق اور کبّہ ہے اور اس

کے علاوہ دوسری کسی جگہ سے ذبح کرنا جائز نہیں۔

① امام ابن قدامہؒ:

المغنی میں امام ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ محلّ ذبح حلق اور کبّہ ہے اور کبّہ وہ چھوٹا

ساگرٹھا ہے جو سینے اور گردن کے وسط میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی جگہ سے ذبح کرنا

درآمدہ گوشت کی شرعی حیثیت

بلاجماع ناجائز ہے اور مغنی المحتاج میں کہا ہے: ماکول اللحم بڑی جانور جو پالتو ہو یا غیر مانوس وحشی، اُس کے گوشت کو حلال اور کھانے کے قابل بنانے والے ذبح کے دو ہی طریقے ہیں: اوّل: اگر اُسے قابو کیا جاسکتا ہے تو اسے حلق ولبہ سے ذبح کیا جائے گا اور اس پر اجماع امت ہے۔

دوم: اگر وہ غیر مانوس و بے قابو جانور ہے تو جان نکال دینے کی حد تک اس کی کھونچیں کاٹ دی جائیں گی جبکہ کھونچیں کاٹنا بھی ذبح ہی ہے۔

② امام قرطبی :

امام قرطبی نے لکھا ہے کہ امام مالک اور علماء کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ حلق اور رگوں کو کاٹنے کے علاوہ دوسرے کسی طریقہ سے ذبح صحیح نہیں ہے۔ اور امام شافعی نے کہا ہے کہ ذبح کے لیے حلق اور رگ کا کاٹنا صحیح ہے اور دوسری دونوں رگوں کو کاٹنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ تو صرف گھاس پانی کے لیے راستہ ہیں۔ اُن پر زندگی کا انحصار نہیں ہوتا جبکہ ذبح سے جانور کی موت کی غرض ہوتی ہے۔ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ حلق اور گلے کے درمیانی حصہ میں جہاں سے بھی ذبح کیا جائے اس سے ذبح کا اہتمام ہو جائے گا۔ نبی ﷺ نے حلق سے ذبح کیا اور لبہ میں نحر کیا اور فرمایا کہ ”ذبح حلق ولبہ میں ہے“۔ اس طرح آپ ﷺ نے ذبح کی جگہ بیان فرمادی اور اس کا فائدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((مَا أَنَهَدَ الدَّمَ وَذَكَرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ فَكُلْ))

”جس کا خون بہہ جائے اور اس پر اللہ کا نام بھی لیا گیا ہو اُسے کھاؤ۔“

مذکورہ بالا کلام سے واضح ہوا کہ کتاب و سنت اور اجماع امت نے ذبح کو حلق ولبہ پر مشروط قرار دیا ہے اور شیخ ابن محمود کا ذبح کی جگہ کے غیر معین اور غیر مشروط ہونے کا زعم

لا اصل و بے بنیاد ہے کیونکہ تمام متقدمین و متاخرین مسلمانوں کا جانور کو ذبح کرنے کے لیے خاص جگہ کے معین ہونے پر اجماع ہے اور اگر مقررہ جگہ کے علاوہ کہیں سے ذبح کیا گیا ہو تو وہ مُردار ہے، اس کے حرام ہونے پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

حکمتِ تخصیصِ مقامِ ذبح:

ذبح کو اس مقررہ جگہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے کیونکہ یہ جگہ خون کی تمام رگوں اور نالیوں کا جنکشن ہے اور یہاں سے ذبح کرنے پر فوراً تمام خون بہہ جاتا ہے اور جلد جان نکل جاتی ہے۔ جس سے جانور کے لیے موت آسان ہو جاتی ہے اور اس کے گوشت کا ذائقہ بھی بہت عمدہ ہو جاتا ہے۔ شیخ ابن محمود کا کہنا ہے:

”ہمارے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں جو ذبح کو حلق و رگ کے کاٹنے پر منحصر قرار دے۔“

مگر انہوں نے قرآن و سنت سے ایسا کوئی حوالہ نقل کیوں نہیں کیا؟ جو اُن کے اس قول کی تائید کرتا، یا کسی صحابی، تابعی یا علماء اسلام میں سے کسی عالم کا قول ہی نقل کر دیا ہوتا۔ لیکن انہیں ملتا کہاں سے؟ یہ تو ان کی اپنی رائے اور عندیہ ہے۔ وَفَقَّهَ اللَّهُ۔ اور یہ بات بھی ان کے اُن ”فقہی دقائق“ سے ہے جن کی طرف انہوں نے اپنے رسالہ کے مقدمہ میں اشارہ کیا ہے۔ کتاب و سنت اور اجماع امت کے دلائل سے آپ کو یہ تو معلوم ہو ہی گیا ہوگا کہ جانور کے ذبح کے لیے معین و مخصوص جگہ مقرر ہے۔ اُن کا کہنا ہے:

”کیونکہ یہ کیفیت ذبح کھال کے صحیح سلامت بچانے کے لیے مناسب تھی جبکہ کھال کی اُن کے زمانے میں بڑی قدر و قیمت ہوتی تھی، یہاں تک کہ وہ مُردہ جانوروں کی کھالیں بھی اتار لیتے اور اُن سے انتفاع و استفادہ کرتے تھے۔“

یہ تعلیل اُن کے ایسے جانوروں کو ذبح کرنے سے قطعاً بے اثر ہو جاتی ہے جن کی

کھالوں سے وہ انتفاع نہیں کیا کرتے تھے، مثلاً مرغی، پرندے اور ایسے ہی دیگر جانور۔ ایسے جانوروں کو بھی وہ حلق سے ہی ذبح کیا کرتے تھے حالانکہ ان کی کھال ہی ایسی نہیں ہوتی کہ جس سے انتفاع ممکن ہو۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے یہ دلائل و تعلیل دیکھنے سننے میں نہیں آئی۔

اپنے رسالہ مذکورہ کے ص ۸ پر انھوں نے لکھا ہے:

”اہل کتاب کا ذبح، چاہے کسی طرح بھی وہ ذبح کرتے ہوں اور ایسے ہی اُن کے ذبائح، ﴿الْأَمْذَكِيْتُمْ﴾ ”سوائے اُس کے جسے تم نے ذبح کر لیا۔“ اور ﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ ”اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔“ کے عموم میں داخل ہیں۔“

یہ بات بھی اُن کے گذشتہ نظریہ ”ذبح کے کسی خاص جگہ یعنی حلق و رگ سے مشروط نہ ہونے“ کی طرح ہی ہے کہ اہل کتاب نے کسی بھی طرح ذبح کیا ہو، چاہے اس کا سر پھوڑا ہو یا پیٹ پھاڑا ہو وہ ﴿الْأَمْذَكِيْتُمْ﴾ اور ﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ کے عموم میں داخل ہونے کی وجہ سے مباح ہے۔ یہ تو ظاہر و بین خطا ہے جیسا کہ اس کی طرف اشارہ گزر گیا ہے۔ اور آیت حَلَّتْ ﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ (۱) کے عموم سے آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالْدَّمَ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا هَلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمَنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ

(۱) ترجمہ: ”اور اہل کتاب کا طعام (کھانا) تمہارے لیے حلال ہے۔“ (المائدہ: ۵)

وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ.. ﴿١﴾
 مخصوص ہے۔ (۲) ایسے جانور جنہیں اہل کتاب نے مذکورہ غیر شرعی طریقوں سے ذبح کیا ہو وہ ﴿الْمُنْحَنِقَةُ﴾ ”گلا گھٹ جانے سے مرنے والے“ اور ﴿الْمَوْقُوذَةُ﴾ ”شدید چوٹ سے مرنے والے“ میں داخل ہیں۔

اور جس نظریہ کو انہوں نے اختیار کیا ہے اس کی کوئی دلیل نہیں دی اور نہ ہی کسی صاحب علم سے کوئی ثبوت نقل کیا ہے۔ دراصل یہ ان کا ذاتی نظریہ ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ماکول اللحم جانور کے مباح ہونے میں ذبح کے وقت حلق و رگ کا کاٹنا کوئی شرط نہیں، حالانکہ اس میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں کہ جانور پر قابو و قدرت ہونے کے باوجود اگر اُسے شرعی طریقہ ذبح کے علاوہ کسی طرح قتل کیا گیا تو وہ متحقمہ (گلا گھٹ کر مرنے والے)، موقوذة (چوٹ لگ کر مرنے والے) یا اس آیت میں مذکور ایسی ہی کسی قسم میں شمار ہوگا۔

ارشادِ الہی ﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَلٌ لَّكُمْ﴾ سے یہ تو ہرگز مراد نہیں کہ اہل کتاب کے کسی بھی طریقہ سے قتل کیے ہوئے جانور کا گوشت مباح و حلال ہے بلکہ اس میں بھی ذبح کے وقت حلق و رگ کاٹنے کے سوا کوئی چارہ نہیں کیونکہ بنی اکرم ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے:

(۱) ترجمہ: ”تم پر حرام ہیں: مُردار، خون، خنزیر کا گوشت، غیر اللہ کے نام ذبح کیے گئے، گلا گھٹنے سے مرنے والے، شدید چوٹ سے مرنے والے، بلندی سے گر کر مرنے والے، سینک سے مرنے والے اور جسے درندہ چیر پھاڑ جائے، سوائے اُس کے جسے تم نے ذبح کر لیا اور (وہ بھی حرام ہے) جو تھانوں (مزاروں) پر ذبح کیا گیا ہو۔“ (المائدہ: ۳)

(۲) پہلی آیت میں عموم ہے کہ اہل کتاب کے طعام کو مطلقاً حلال قرار دیا ہے۔ اور دوسری آیت میں پہلی آیت کے عموم سے چند چیزوں کے نام لے کر انہیں خاص کر دیا ہے کہ یہ مذکورہ چیزیں حرام ہیں۔ (قمر)

((مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ فَكُلْ))

”جس کا خون بہا دیا گیا اور اس پر اللہ کا نام بھی لیا گیا ہو، اس کا گوشت کھاؤ۔“

جب ایک مسلمان کا وہ ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے جس کا حلق اور رگ نہ کاٹے گئے ہوں، تو اہل کتاب کا ایسا ذبیحہ بطریق اولیٰ حرام ہوگا۔

ایک غلط فہمی:

مذکورہ بالا ص ۸ پر ہی لکھا ہے:

”ہر ذبیحہ جانور ہو یا مرغی جو عوام کے لیے بیرونی ممالک سے درآمد (Import) کیے جاتے ہیں جبکہ وہ مجہول الحال ہوتے ہیں اور ان کے ذبح کرنے والوں اور طریقہ ذبح کا کوئی علم نہیں، وہ صحیح بخاری کی اُس حدیث کے عموم میں داخل ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا:

((يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنْ قَوْمًا حَدِيثُوا عَهْدَ بَجَاهِلِيَّةٍ يَأْتُونَنَا بِاللَّحْمِ لَا نَدْرِي أَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ أَمْ لَا؟ قَالَ: سَمُوا اللَّهَ أَنْتُمْ وَكُلُوا)) (بخاری ج ۲ / ص ۸۲۵)

”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ایک قوم کے لوگ عہد جاہلیت سے نکل کر نئے نئے اسلام لائے ہیں، وہ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں، ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے اس پر اللہ کا نام لیا ہوتا ہے یا نہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم خود اللہ کا نام لے لو اور کھاؤ۔“

اس واقعہ کی بناء پر ان کی رائے ہے کہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا صرف مسلمانوں پر ہی واجب ہے، دوسروں پر نہیں۔

اس غلط فہمی کا ازالہ:

اس کا جواب دو مقامات پر اور دو طرح سے ہے:

اَوَّلًا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ کیمونسٹ، بُت پرست، وثنی و مشرک اور ایسے ہی دیگر بلادِ کُفر سے منگوائے جانے والے مذبوحہ جانوروں اور مرغیوں کا کھانا مباح (PERMISSIBLE) ہے۔ کیونکہ حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک مسلمان قوم کے بارے میں ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ وہ عہدِ کُفر سے نکل کر نئے نئے ہی مسلمان ہوئے ہیں اور مسلمان کے ذبیحہ میں اصل حِلّت ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے ذبح کرنے والے یا طریقہ ذبح کے متعلق سوال نہیں کیا، کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ یہ قوم مسلمان ہے۔ انہوں نے تو صرف تسمیہ (اللہ کا نام لینے اور بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہنے) کے متعلق پوچھا ہے۔ کیونکہ ان کے نئے نئے اسلام لانے کی بناء پر ممکن ہے کہ وہ اس کا حکم نہ جانتے ہوں۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((سَمُّوا اللّٰهَ اَنْتُمْ وَكُلُّوا)) ”تم خود اس پر اللہ کا نام لے لو اور کھاؤ۔“

اور اس بات کی دلیل امام مالک کی بیان کردہ وہ روایت ہے جو انکے مؤطا میں ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((وَذَلِكَ فِيْ اَوَّيْلِ الْاِسْلَامِ)) ”یہ اوائل اسلام کا واقعہ ہے۔“

اور اس حدیث میں مذکور قوم مدینہ متورہ کے بادیہ نشینوں میں سے تھی۔

③ علامہ باجی:

شارح مؤطا علامہ باجی نے اس حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

”اس بات کا احتمال ہے کہ اس سے نبی ﷺ کی مراد اس گوشت کو کھاتے وقت اللہ کا نام لینا ہو، کیونکہ اُن کے لیے اب یہی چیز باقی رہ گئی تھی۔ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینے کی ذمہ داری ان کی بجائے ذبح کرنے والوں کی تھی، کھانے والے اس کے مکلف نہ تھے۔ اور اسے صحت پر محمول کیا جائے گا جب تک کہ اس کے خلاف کوئی دلیل نہ ہو۔

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ نبی ﷺ کی مراد یہ ہو کہ تم خود اب اس پر اللہ کا نام لے لو۔ اس طرح تمہارے لیے اس گوشت کا کھانا مباح ہو جائے گا جس کے متعلق تم یہ نہیں جانتے کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں؟ لیکن یہ صرف اس شکل میں ہے جب ذبح کرنے والا وہ شخص ہو جو اگر اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ صحیح ہو۔ لہذا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والی حدیث سے مجہول الحال ذابح کے ذبح کردہ جانور کی اباحت اور کافر ممالک سے مسلمانوں کی مارکیٹوں میں لائے جانے والے گوشت کی کیفیت ذبح کے غیر مشروط ہونے پر استدلال کرنا غیر صحیح و غیر مسلم ہے۔ اور اس حدیث میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔

مجہول الحال کا حکم

حائثاً: جس جانور کے ذبح کرنے والے اور کیفیت ذبح کا علم نہ ہو اس کی درج ذیل شکلیں ہوں گی:

① اگر ذبح کرنے والا مسلمان ہو تو اس ذبیحہ کے مباح ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں کیونکہ مسلمانوں کے ذبیحہ میں اصل حلت ہے۔

② جب یہ معلوم ہو جائے کہ ذبح کرنے والا اہل کتاب میں سے ہے، اور اس نے جانور کو شرعی طریقہ سے ذبح کیا ہے تو یہ مسلمان کے ذبیحہ کی طرح کتاب و سنت اور اجماع امت کی

درآمدہ گوشت کی شرعی حیثیت

رُوسے حلال (LAWFUL) ہے۔ اور کسی ایک بھی ایسے عالم شخص نے اس کی تحریم کا نہیں کہا کہ جس کا اختلاف معتد بہ ہو، جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَلٌ لَكُمْ﴾

”اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔“

حضرت ابن عباس اور ابوامامہ ؓ اور عطاء، حسن بصری، مکحول، ابراہیم نخعی، سدی اور مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے کہ یہاں ”طعام“ سے مراد ان کے ذبائح (ذبح کردہ جانور) ہیں۔ اور اس امر پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ ان کے ذبائح مسلمانوں کے لیے حلال ہیں، کیونکہ اہل کتاب بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا حرام ہے، اور وہ اپنے ذبائح پر اللہ کے نام کے سوا کوئی نام نہیں لیتے۔ اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بعض ایسی بدعقیدگیوں (۱) کا شکار ہیں جن سے اللہ تعالیٰ پاک و متزہ ہے۔

① سنن سعید بن منصور میں حضرت ابن مسعود ؓ سے مروی ہے:

((لَا تَأْكُلُوا مِنْ الذَّبَائِحِ إِلَّا مَا ذَبَحَ الْمُسْلِمُونَ وَ أَهْلُ الْكِتَابِ))

”مسلمانوں اور اہل کتاب کے ذبیحوں کے علاوہ کسی کا گوشت نہ کھاؤ۔“

② حضرت انس ؓ سے مروی حدیث میں ہے:

(۱) اہل کتاب کی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات کے بارے میں بدعقیدگی یہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت عِزْرَیْلَہؑ کو اللہ کا بیٹا بنا دیا ﴿قَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌهُ ابْنُ اللَّهِ﴾ (التوبہ: ۳۰) ”اور یہودیوں نے کہا کہ عِزْرَیْلَہؑ کو اللہ کا بیٹا ہے۔“ اور عیسائیوں نے اللہ عیسیٰ ؑ اور مریم کی مثلت بنائی اور اس تثلیث میں اللہ تعالیٰ کو تین میں سے تیسر امانا ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثَةٌ﴾ (المائدہ: ۷۳) ”اور ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔“ اور حضرت عیسیٰ ؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دیا۔ ﴿وَقَالَتِ النِّصَارِيُّ الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ﴾ (التوبہ: ۳۰) ”اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔“

جبکہ اللہ ان سب سے پاک و متزہ ہے۔ (ابو عدنان)

((إِنَّ يَهُودِيًّا دَعَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَى خُبْرٍ شَعِيرٍ وَاهَالَةٍ
(سُنْخَةٍ)) (مسند احمد)

”ایک یہودی نے رسول اللہ ﷺ کو جو کی روٹی اور چربی کے سالن
کی دعوت دی۔“

③ مجمع الزوائد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے:
((أَنَّمَا أُجِلَّتْ ذَبَائِحُ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى لِأَنَّهُمْ آمَنُوا
بِالتَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ))
”یہود و نصاریٰ کے ذبائح اس لیے حلال ہیں کہ وہ تورات اور انجیل پر
ایمان رکھتے تھے۔“

امام پیشی کا کہنا ہے کہ یہ روایت طبرانی نے معجم کبیر میں نقل کی ہے۔ اس کی سند
میں اسماعیل بن عمر نخعی ہے جسے امام ابن حبان وغیرہ نے ثقہ اور امام دارقطنی وغیرہ نے
ضعیف کہا ہے۔

④ اُس یہودی عورت کے واقعہ والی حدیث بھی ہے، جس نے بنی اکرم ﷺ کو بھڑنی ہوئی
بکری ہدیہ کے طور پر دی۔ اور ایسی ہی بعض دیگر احادیث بھی ہیں۔

مجهول الحال کے لیے شرعی قواعد

جب احوال و اخبار مجهول و مفقود ہوں اور پتہ نہ چل پائے کہ آیا ذبح کرنے والا
ان لوگوں میں سے تھا جن کے ہاتھ کا ذبیحہ مباح و حلال ہے یا کوئی اور تھا؟ جیسا کہ
مسلمانوں کی مارکیٹوں میں گوشت کی غالب و اکثر مقدار بلاد کفر سے درآمد کی جاتی ہے۔
ایسی صورت میں قواعد شرعیہ کا تقاضا تحریم ہے۔ اور وہ قواعد شرعیہ درج ذیل ہیں:

① پہلا شرعی قاعدہ یہ ہے کہ جب حلال چیز کا حرام چیز کے ساتھ اشتباہ ہو جائے تو ان دونوں میں سے ایک تو اصل کے اعتبار سے حرام (UNLAWFUL) ہوگی، اور دوسری تحریم کا عارضہ لاحق ہو جانے کی وجہ سے حرام ہو جائے گی:

(إِذَا اشْتَبَهَ مُبَاحٌ بِمُحَرَّمٍ حُرِّمَ أَحَدُهُمَا بِالْأَصَالَةِ
وَالْآخَرُ بَعَارِضِ التَّحْرِيمِ)

”جب کوئی مباح چیز کسی حرام سے متشابہ ہو جائے تو ان میں سے ایک (حرام) تو اصل کے اعتبار سے ہی حرام ہوگئی اور دوسری تحریم کا عارضہ لاحق ہو جانے کی وجہ سے حرام ہو جائے گی۔“

② دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی چیز میں اباحت و ممانعت دونوں جمع ہو جائیں تو ممانعت کو مقدم رکھا جائے گا کیونکہ یہ زیادہ قریب احتیاط اور شبہ سے بعید تر ہے:

(إِذَا اجْتَمَعَ مُبِيحٌ وَحَاطِرٌ قُدِّمَ الْحَاطِرُ لِأَنَّهُ أَحْوْطُ وَأَبْعَدُ
مِنَ الشُّبْهَةِ)

”جب مباح و ممنوع کرنے والے دونوں اسباب جمع ہو جائیں تو ممنوع کرنے والا سبب مقدم ہوگا کیونکہ اسی میں زیادہ احتیاط ہے اور اسی میں شبہ سے زیادہ بچاؤ ہے۔“

مشتبہ سے اجتناب کے دلائل

مقاماتِ شبہ سے دور رہنے کے بہت سے دلائل ہیں جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں ہے:

((الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا أُمُورٌ مُشْتَبِهَاتٌ لَا
يَعْرِفُهَا كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبْهَاتِ فَقَدْ اسْتَبْرَأَ

لِدِينِهِ وَعَرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ
كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَقَعَ فِيهِ))

(أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ وَغَيْرُهُمَا)

”حلال ظاہر ہے اور حرام بھی واضح۔ اور ان دونوں کے درمیان
مشتبہ امور ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے، جو شخص شُبہات سے
بچا، اُس نے اپنے دین و آبرو کیلئے آلودگی سے براءت پائی۔ اور جو
شُبہات میں داخل ہوا وہ حرام میں داخل ہو گیا جیسے کوئی چرواہا کسی
چراگاہ کے ارد گرد مویشی چرا رہا ہو تو عین احتمال ہے کہ کسی بھی وقت
مویشی چراگاہ میں گھس جائیں۔“

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں وہ کہتے ہیں:

((سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: دَعُ مَا يُرِيدُكَ إِلَى مَا لَا
يُرِيدُكَ)) (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ)

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ ”مشکوک چیز کو ترک
کر کے غیر مشکوک چیز کو اختیار کرو۔“

جن روایات کی بنا پر علماء کرام نے مشتبہ چیز کی حرمت پر استدلال کیا ہے، اُن میں سے ہی
حضرت عدیؓ والی حدیث بھی ہے جس میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُعْلَمَ فَادْكُرِ اسْمَ اللَّهِ، فَإِنْ أَمْسَكَ
عَلَيْكَ فَادْكُرْتَهُ حَيًّا فَادْبَحْهُ، وَإِنْ أَدْرَكَتَهُ قَدْ قُتِلَ وَلَمْ يَأْكُلْ
مِنْهُ فَكُلْهُ، وَإِنْ وَجَدْتَ مَعَ كَلْبِكَ كَلْبًا غَيْرَهُ وَقَدْ قُتِلَ
فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَيُّهُمَا قَتَلَهُ؟ وَإِنْ رَمَيْتَ سَهْمَكَ

فَإِذَا كُورِاسَمَ اللّٰهُ، فَإِنْ غَابَ عَنْكَ يَوْمًا فَلَمْ تَجِدْ فِيهِ إِلَّا أَثَرَ
 سَهْمِكَ فَكُلْ إِنْ شِئْتَ وَإِنْ وَجَدْتَهُ غَرِيقًا فِى الْمَاءِ
 (فَلَا تَأْكُلْ)) (أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ وَأَبُو دَاوُدَ وَغَيْرُهُمْ)
 ”جب تو اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار کے پیچھے چھوڑے تو تکبیر
 پڑھ لے۔ جب کتا شکار کو پکڑ کر تمہارے پاس لے آئے اور شکار ابھی
 زندہ ہو تو اُسے ذبح کر لے اور اگر تمہارے پاس پہنچنے تک شکار بے
 جان ہو چکا ہو اور کتے نے اس میں سے کچھ کھایا نہ ہو تو اسے کھا لو اور
 اگر تو اپنے کتے کے ساتھ کوئی دوسرا کتا بھی دیکھ لے اور شکار بے جان
 ہو چکا ہو تو اسے مت کھاؤ کیونکہ تجھے معلوم نہیں کی ان دونوں میں سے
 اسے کس نے مارا ہے؟ اور اگر تو تیر مارے تو تکبیر پڑھ لے۔ اگر شکار
 ایک دن تجھ سے غائب رہا ہو اور (اگلے دن) ملنے پر تو اُس کے جسم
 میں اپنے تیر کے علاوہ کوئی نشان نہ پائے تب تو چاہے تو اسے کھا لے
 اور اگر تجھے شکار پانی میں ڈوبا ہوا ملے تو اسے نہ کھا۔“

① امام نوویؒ:

امام نوویؒ نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے:

”اس حدیث میں ایک اہم ترین قاعدے کا بیان ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ اگر
 عمل ذبح جو جانور کو مباح بناتا ہے اُس میں شک واقع ہو گیا تو جانور کا گوشت حلال نہیں
 ہوا۔ کیونکہ جانور میں اصل حرمت ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔“ (صحیح

مسلم مع شرح النووی ج ۲، ص ۱۴۶)

② علامہ ابن رجبؒ:

علامہ ابن رجبؒ نے جامع العلوم و الحکم میں کہا ہے:

”جن چیزوں میں اصل ممانعت ہے مثلاً جماع اور جانوروں کا گوشت، وہ عمل حلت، ذبح و نکاح کا مکمل یقین ہوئے بغیر حلال نہیں ہوتیں۔ اگر کسی چیز میں کسی دوسرے سبب کے ظہور سے شک و تردد واقع ہو جائے تو وہ چیز اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے اور اسی پر اس کی بنیاد ہوگی، جس میں اصل حرمت ہے وہ حرام ہی رہے گی۔ اسی لیے نبی ﷺ نے صیاد کو اُس شکار کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے جس میں وہ اپنے تیر کے علاوہ بھی کوئی نشان پائے یا اپنے کتے کے ساتھ کوئی دوسرا کتا دیکھ لے یا شکار اُسے پانی میں گرا ہوا ملے۔ اور ممانعت کی علت یہ بتائی کہ اُسے معلوم نہیں آیا وہ جانور مباح کرنے والے سبب (اس کے اپنے تیر یا کتے) سے مرا ہے یا کسی دوسرے سے؟“

③ امام خطابیؒ:

امام خطابیؒ نے (معالم السنن میں) کہا ہے:

”صیاد کو پانی میں گرے ہوئے ملنے والے شکار کا گوشت کھانے سے اس لیے منع فرمایا کہ عین ممکن ہے وہ پانی میں غرق ہو گیا ہو۔ اور اس کی ہلاکت کا سبب پانی بنا ہونہ کہ وہ کتا جو آلہ ذبح ہے۔ اور اُس میں اس کے اپنے تیر کے علاوہ بھی کوئی نشان پایا جائے تو وہ بھی اسی طرح ہے۔“

در اصل رخصتوں میں اُن شرائط کا پورا پورا خیال رکھا جائے گا جن کی بدولت اباحت واقع ہوتی ہے۔ جو نہی اُن شرائط میں سے کسی چیز کی کمی واقع ہوئی معاملہ اصلی تحریم کی طرف پلٹ گیا۔ یہ مسئلہ علم کا ایک بہت بڑا باب ہے۔

④ صاحبِ بذل المجهود:

صاحبِ بذل المجهود نے کہا ہے:

”نبی ﷺ نے یہ دو شرطیں عائد فرمائیں:

① شکار پانی میں نہ پایا جائے، اور ② اس کے جسم پر صیاد کے اپنے تیر کے علاوہ کوئی دوسرا نشان نہ ہو۔

کیونکہ اگر ان شرائط میں سے صرف ایک پائی جائے تو یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ موت واقعی تیر سے ہوئی بلکہ احتمال ہے کہ پانی سے ہوئی ہو یا کسی دوسرے صیاد کے تیر سے واقع ہوئی ہو۔ اس طرح حلت میں شک ہو گیا لہذا اس کا گوشت حلال نہیں ہے۔“

انہوں نے یہ بھی مزید لکھا ہے:

”یہ حدیث اُس شکار کردہ جانور کی حلت کے مسئلہ میں بہت بڑی بنیاد ہے جس میں دو ایسے اسباب پائے جاتے ہیں جن کی طرف موت کی نسبت ہو سکتی ہے۔ اُن دونوں میں سے ایک سبب ایسا ہے جو حلت کا فائدہ نہیں دیتا۔ جب ایسا ہو کہ جانور کی موت کی نسبت اُس کی طرف کرنے کا احتمال ہو جو سبب حلت ہے اور اس کا بھی احتمال ہو کہ نسبت اُس سبب کی طرف کرنا بھی ممکن ہو جو حلت کا فائدہ نہیں دیتا تو وہ جانور حلال نہیں بلکہ اس شکل میں حرمت غالب ہو جائیگی۔“

نبی ﷺ کا یہ فرمان: ”جب تمہارے تیر کا شکار پانی میں گرے اور ڈوب جائے پھر وہیں مرجائے تو اسے نہ کھاؤ۔“ (مسلم ج ۲، ص ۱۴۶) یہ اس لیے ہے کہ یہاں موت کے دو سبب پائے گئے ہیں: ایک تیر اور دوسرا پانی، پانی میں گرنے سے واقع ہونے والی موت حلت کا فائدہ نہیں دیتی۔ گویا یہاں دو طرح کے سبب جمع ہو گئے۔ ایک حلت کا فائدہ دیتا ہے اور

دوسرا نہیں دیتا۔ لہذا حِلّت و حرمت میں شک پیدا ہو گیا تو حُرمت کو ترجیح دی جائے گی۔
 گذشتہ سطور سے یہ واضح ہو گیا کہ شیخ ابن محمود کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی
 حدیث ذکر کرنے کے بعد یہ کہنا کہ ”ذبیحہ پر تکبیر پڑھنا صرف مسلمانوں پر واجب ہے نہ کہ
 دوسروں پر بھی“۔ لایعنی بات ہے۔

مذکورہ ص ۸ پر ہی انھوں نے یہ بھی لکھا ہے:

”میرے خیال میں قرآن پاک کا اہل کتاب کے ذبائح کو بلا قید و شرط
 مطلقاً مباح قرار دینا، اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت ہے۔ کیونکہ
 مسلمانوں کی کثیر تعداد ان کے ساتھ اختلاط اور میل جول کی آزمائش
 میں مبتلا ہے اور انہیں ہر وقت و ہر جگہ ان کے ذبائح کی شدید
 ضرورت ہے۔ لہذا اللہ نے اُن کے ذبائح کا کھانا مباح قرار دے دیا
 جبکہ اُسے ان کے طریقہ ذبح کا پورا علم ہے“۔

اُن کی یہ بات بھی اُن کے گذشتہ کلام ہی کی ایک شاخ ہے جو ذبح کے غیر مشروط ہونے کے
 متعلق ہے، جبکہ شرائط ذبح و رگ کا ٹنا مسلمان اور اہل کتاب دونوں کے لیے برابر
 ہے۔ اور یہ کہ ”اہل کتاب کا ذبیحہ مباح ہے انہوں نے چاہے کس طرح ذبح کیا ہو“۔ اس کی
 تردید گزر چکی ہے۔ ان کی اس بات پر کوئی قابلِ حُجت دلیل نہیں اور نہ ہی انہوں نے علماء
 اسلام میں سے کسی کا کوئی قول نقل کیا ہے۔ وہ اپنے زعم کی تائید میں علماء اسلام کا کلام نقل
 کرتے بھی کہاں سے؟



مسلمان اور کتابی (اہل کتاب) کے لیے شرائطِ ذبح

تمام علماء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ جو شرائطِ ذبح مسلمان کے لیے ہیں، وہی کتابی کے لیے بھی ہیں۔

① شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم" میں ﴿وَمَا أَهْلَ لَغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ اور ﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلٌّ لَكُمْ﴾ کو جمع کرنے کے بعد لکھا ہے:

”کتاب وسنت کے قریب ترین ممانعت ہی ہے جس پر امام احمد بن حنبلؒ کا اکثر کلام دلالت کرتا ہے۔ اگرچہ ہمارے متاخرین اصحاب میں سے ایک صاحب اس روایت کو بحالہ ذکر نہیں کرتے۔ اور یہ (ممانعت) اس لیے ہے کہ ارشاداتِ الہی ﴿وَمَا أَهْلَ لَغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ اور ﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ میں پایا جانے والا عموم، عمومِ محفوظ ہے، اس میں سے کوئی صورت مخصوص نہیں کی گئی۔ اس کے برعکس ﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ ہے جس میں مباح کرنے والا عمل ذبح شرط ہے۔ اگر کتابی مقررہ مشروع جگہ کے علاوہ کہیں سے ذبح کرے تو اس کا ذبح کرنا جانور کو مباح نہیں کرے گا، کیونکہ کتابی سے بھی اصل غرض یہ ہے کہ اس کا ذبح بھی مسلمان کی طرح ہی ہو۔ اور مسلمان نے اگر غیر اللہ کے لیے ذبح کیا یا غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا تو وہ بھی مباح نہیں اور وہ ایسا کرنے سے کُفر بھی کرتا ہے، اور ایسے ہی ذمی ہے۔ کیونکہ ارشادِ الہی ﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلٌّ لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ حَلٌّ لَهُمْ﴾ ہر دو (مسلم و کتابی) کے لیے ایک جیسا ہے۔ اور کتابی اگرچہ اسے حلال سمجھتے ہیں مگر ہم اُسے حلال نہیں سمجھتے کیونکہ یہ تو ضروری نہیں

کہ وہ جسے حلال سمجھیں وہ ہمارے لیے بھی حلال ہو۔

چونکہ یہاں ممانعت و اباحت دونوں دلیلوں کا تعارض ہے، لہذا ممانعت کو مقدم رکھنا اولیٰ ہے، کیونکہ غیر اللہ کے لیے یا غیر اللہ کے نام سے ذبح کرنے کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ یہ دین انبیاء علیہم السلام کی تعلیم نہیں بلکہ یہ اُن لوگوں کا اپنا ایجا کردہ شرک ہے۔ گویا وہ اساس جس کی بناء پر اُن کے ذبائح حلال تھے یہاں وہی مفقود ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

② امام ابن قدامہ:

امام ابن قدامہ نے کہا ہے: ”مسلمان اور کتابی مذکورہ امور شکار و ذبح میں برابر ہیں۔“ اور ”مغنی المحتاج“ میں کہا ہے:

”ذبح کے چار ارکان ہیں جن میں سے پہلا ماکول اللحم جانور کو حلق و لبہ سے ذبح کرنا ہے اور دوسرا ذبح (ذبح کرنے والے) اور شکار کرنے والے دونوں میں یہ شرط ہے کہ اُن کی عورت کے ساتھ مسلمانوں کے لیے اُس کے مسلمان یا کتابی ہونے کے لحاظ سے، محرمات نکاح میں گزری شرط کے ساتھ نکاح صحیح ہو۔“

شیخ ابن محمود نے کتابی کے ذبائح کی علّتِ اباحت بیان کرتے ہوئے جو کہا ہے:

”مسلمانوں کے اہل کتاب سے بکثرت اختلاط کی بناء پر یہ اللہ کی رحمت ہے

کیونکہ وہ ہر وقت و ہر جگہ اُن کے ذبائح کے محتاج ہیں۔“

اس طرح انھوں نے مسلمانوں کے ان کے ساتھ بکثرت میل جول اور ہر جگہ و ہر

وقت ان کے ذبائح کی احتیاج و ضرورت کو اہل کتاب کے ذبائح کی اباحت کی علّت قرار دیا

ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور میری معلومات کے مطابق آج تک کسی دوسرے مسلمان

نے یہ علّت بیان نہیں کی۔ بلاشبہ مسلمانوں کا اختلاط بت پرست مشرکوں مثلاً مشرکین اور

اہل طائف وغیرہ کے ساتھ موجودہ مسلمانوں کے اہل کتاب سے میل جول کی نسبت کہیں زیادہ تھا مگر اُن کے ذبائح تو مباح نہ ہوئے اور نہ ہی اہل علم میں سے کسی نے اس جانور کے مباح ہونے کا کہا ہے جسے کوئی وحشی بت پرست ذبح کرے۔

اہل علم نے اہل کتاب کے ذبائح کی اباحت کا سبب، اُن کے انبیاء کی طرف منسوب ہونے اور تورات و انجیل پر ایمان رکھنے کو قرار دیا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت گزری گئی ہے۔ وہ غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے کو حرام سمجھتے تھے لہذا ان کے ذبائح مباح کر دیئے گئے، نہ کہ شیخ ابن محمود کے بقول: ”ان کا مسلمانوں سے بکثرت اختلاط اور مسلمانوں کو ہر جگہ و ہر وقت اُن کے ذبائح کی احتیاج باعث اباحت ہے۔“

اور ان کا یہ کہنا:

”اللہ کے علم کے باوجود کہ وہ کس طرح ذبح کرتے تھے، اللہ نے انکا

ذبیحہ حلال قرار دیا۔“

شیخ ابن محمود کی اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل کتاب کا ذبح کرنے کا کوئی خاص طریقہ تھا جو اللہ کے مباح کردہ طریقہ حلق و رگ کاٹنے کے علاوہ تھا۔ یہ دعویٰ دلیل کا محتاج ہے۔ انہوں نے اہل کتاب کے ذبح کرنے میں کوئی ایسی صفت، سر پھوڑنا یا پیٹ پھاڑنا اور اس کا مأخذ ذکر کیوں نہیں کیا کہ ان کا یہ دعویٰ صحیح ہوتا؟ حالانکہ اہل کتاب اور مسلمانوں میں یہی معروف ہے کہ وہ شرعی طریقہ سے ذبح کرتے ہیں جو حلق و رگ کا کاٹنا ہے، جیسا کہ اُن کے اپنے قول سابق میں اشارہ موجود ہے کہ ”ذبح میں حلق و رگ کا کاٹنا اسلام اور زمانہ جاہلیت میں ایک عادت بن چکا تھا“۔ انہوں نے کوئی ایک بھی ایسا واقعہ ذکر کیوں نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا کہ وہ اس عادت کو چھوڑ گئے تھے اور جانور کو اس جگہ

کے علاوہ کہیں سے ذبح کرتے تھے؟ بلاشبہ ہر وہ دعویٰ جس پر کتاب و سنت، اجماع امت یا قیاس صحیح سے دلیل نہ دی گئی ہو وہ مدعی کی طرف ہی لوٹا دیا جاتا ہے۔ اہل کتاب کا معروف طریقہ کے علاوہ کسی اور طرح سے ذبح کرنا شیخ ابن محمود سے دلیل کا طالب ہے اور ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

ص ۹ پر انھوں نے المدونہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

”امام مالکؒ سے کنیہ وغیرہ کے لیے ذبح کیے گئے جانور کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ”میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں، حرام نہیں کہتا“۔ اور فرمایا: ”اللہ نے ہمارے لیے ان کے ذبائح مباح کیے ہیں اور وہ اُن کے طریقہ ذبح کو جاننے والا ہے“۔

جبکہ المدونہ (۶۷/۳) میں جو لکھا ہے، اُس کی نص یہ ہے:

”میں نے پوچھا کہ انہوں نے اپنی عیدوں اور کنیسوں کے لیے جو ذبح کیا ہو، اُس کے متعلق کیا رائے ہے؟ کیا وہ کھایا جائے گا؟ امام مالکؒ نے فرمایا: ”میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں حرام نہیں کہتا“۔ امام مالکؒ نے اس میں ﴿أَوْ فَسْقًا لِّأَهْلِ الْإِسْلَامِ﴾ کی تفسیر و تاویل کی۔ اور وہ اسے شدید مکروہ سمجھتے تھے مگر حرام نہیں کہتے تھے۔“

شیخ ابن محمود اور علمی امانت کی خلاف ورزی

شیخ ابن محمود نے یہ جملہ: ”اللہ نے ہمارے لیے ان کے ذبائح مباح کیے ہیں اور وہ ان کے طریقہ ذبح کو جاننے والا ہے“۔ المدونہ میں امام مالکؒ کی طرف منسوب کیا ہے مگر ہمیں اس میں یہ کہیں نہیں ملا۔ علم کی امانت طالب علم پر یہ واجب کرتی ہے کہ وہ نقل میں امین ہو۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔

یہاں ہم ایک اہم بات پر تنبیہ کر دینا چاہتے ہیں کہ شیخ ابن محمود نے اپنی اس علمی بحث کی متقاضی کتاب میں مختلف فیہ مسائل میں مذاہب علماء کے نقل کرنے کا مکمل اہتمام نہیں کیا اور نہ ہی اپنے نزدیک رائج مسلک کی نشاندہی کی ہے بلکہ امام مالکؒ کے کلام سے صرف اپنی مؤید عبارت کا دُم بریدہ اور بے بال و پیر ٹکڑا نقل کیا ہے اور دیگر علماء کی آراء کو یوں گول کر گئے ہیں جیسے کہ یہ کوئی انتہائی معمولی سا مسئلہ ہو۔ اس لیے ہمارا خیال ہے کہ اس مسئلے کی دوسری جانب کا بھی ذکر کر دیں جسے شیخ ابن محمود نظر انداز کر گئے ہیں۔

اہل کتاب اور حرمت ذبیحہ

شیخ ابن محمود نے جس دوسری جانب کو نظر انداز کر دیا ہے اسکی تفصیل درج ذیل ہے:

جمہور ائمہ:

کوئی کتابی جب ذبیحہ پر اللہ کی بجائے مسیح یا عزیٰ علیہما السلام یا کسی دوسرے کا نام لے لے تو جمہور علماء کے مذہب کی رو سے وہ حرام ہے، اسے نہیں کھایا جائے گا۔ یہ امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا قول ہے اور مالکی محققین کی ایک جماعت کا بھی حسب ارشاد الہی: ﴿وَمَا أَهْلَ لَغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ (۱) اور حسب حکم باری تعالیٰ: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ﴾ (۲) یہی قول ہے۔ اور بعض مالکی علماء کے نزدیک اس میں تفصیل ہے کہ جب اہل کتاب ذبیحہ پر بطور تبرک غیر اللہ مثلاً مسیح یا کنیسہ کا نام لیں تو وہ مکروہ ہے نہ کہ حرام اور جب انہوں نے اپنے معبودوں کے لیے ذبح کیا ہو جنہیں وہ اپنے معبودوں کی بھینٹ چڑھاتے ہیں اور خود ان سے کوئی انتفاع نہیں کرتے وہ حرام ہے کیونکہ وہ ان کے ”طعام“ میں سے نہیں۔

(۱) ترجمہ: ”اور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، اسے مت کھاؤ“۔ (الانعام: ۱۲۱)

(۲) ترجمہ: ”اور وہ بھی نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو“۔ (الانعام: ۱۲۱)

مذکورہ سطور سے واضح ہوا کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے نہ کہ معمولی جیسا کہ شیخ ابن محمود نے اپنی چابکدستی سے ظاہر کیا ہے۔ جبکہ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ رائج مسلک وہی ہے جسے قوی دلائل کی بناء پر جمہور علماء نے اختیار فرمایا ہے، اور جس پر امام ابن تیمیہ کی تعلیل بھی شرائط ذبح کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

① ملا علی قاریؒ:

ملا علی قاری کہتے ہیں: ”ہمارے علماء نے ذابح کی شرط، ارشاد الہی: ﴿الَا مَذَكِّيْتُمْ﴾ کی بناء پر مسلمان ہونا یا فرمان باری تعالیٰ ﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ﴾ کی رو سے کتابی ہونا لگائی ہے، اگرچہ اہل کتاب حربی (مسلمانوں سے برسرِ پیکار) ہی کیوں نہ ہوں۔ اور طعام سے مراد ان کے ذبح کردہ گوشت ہیں کیونکہ ذبح کیے جانے والے گوشت کے سوا مطلق طعام تو کسی بھی کافر کا حلال ہے، اور یہ بھی شرط ہے کہ ذبح کرتے وقت کتابی غیر اللہ کا نام نہ لے۔ اگر اس نے مسیح یا عیسیٰ علیہما السلام کے نام سے ذبح کیا تو اس کا ذبیحہ ارشاد الہی ﴿وَمَا اٰهْلٌ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ کی رو سے حلال نہیں ہوگا۔

② امام ابن کثیرؒ:

اہل کتاب کے ذبائح کی حکمتِ اباحت بیان کرتے ہوئے امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: ”وہ غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے کے حرام ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اپنے ذبائح پر اللہ کے سوا کسی کا نام نہیں لیتے، اگرچہ وہ اللہ کے بارے میں ایسی بدعقیدگی کا شکار ہیں جس سے وہ منترہ اور پاک ہے۔ (۱)

وہ اپنے ذبائح اور قربانیوں پر اللہ کا نام لیتے ہیں اور اپنی عبادات خاص اسی کے لیے کرتے ہیں۔ اسی لیے ان کے علاوہ اہل شرک اور ان سے مشابہت رکھنے والوں کے (۱) ان کی بدعقیدگی کی مثالیں صفحہ ۲۹ پر گزر گئی ہیں۔ (ابو عدنان)

ذباح حلال نہیں کیونکہ وہ اپنے ذباح پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔ وہ گوشت کے صحیح ذبح نہ کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ مردہ جانور کا گوشت بھی کھا جاتے ہیں۔

③ علامہ ابن قیمؒ:

جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا جائے یا غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، اُس کے حرام ہونے کی حکمت بیان کرتے ہوئے علامہ ابن قیم رقمطراز ہیں:

”وہ ذبیحہ جس پر بوقت ذبح اللہ کا نام نہ لیا جائے یا غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو وہ خبث کا حامل ہوتا ہے اور اللہ سُبحانہ و تعالیٰ نے ہم پر خباثت حرام کی ہے۔ موجب تحریم خبث کبھی تو ظاہر ہوتا ہے اور کبھی مخفی۔ جو ظاہر ہوتا ہے اُس پر شارع علیہ السلام نے اس کے وصف کے علاوہ کوئی علامت نصب نہیں کی اور جو مخفی ہوتا ہے اس کی ایسی علامت بیان فرمادی ہے جو اس کے خبث پر دلالت کرتی ہو۔ مردار میں خون کا اندر ہی جم جانا ظاہر سبب ہے اور مجوسی، مرتد، تارکِ تسمیہ اور جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا، ان کا ذبیحہ ایسے خبث کا حامل ہوتا ہے جو موجب تحریم ہے اور اس حقیقت سے کہ: ”ذبیحہ پر اضنام و اوثان، نجوم و کواکب اور جن کا نام لینا باعثِ خبث اور اللہ وحدہ کا نام باعثِ طہارت ہے“۔ کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا، سوائے اس کے جو حقاً نفعِ علم، دولتِ ایمان اور ذوقِ شریعت کے ادراک میں کم نصیب واقع ہوا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ذباح پر اللہ کا نام نہ لینے کو فسق قرار دیا ہے۔ اور یہی خبث ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا گوشت کو پاک و طیب کر دینے اور ذباح و مذبوح سے شیطان کو دھتکار دینے کا ذریعہ ہے۔ بصورتِ دیگر جب اس کا نام نہ لیا جائے تو شیطان ذباح و مذبوح کو چمٹا رہتا ہے اور جانور میں خبث کا سبب بنتا ہے۔ شیطان جانور کی خون والی شریانوں میں یوں گردش کرتا ہے کہ خون اس کا مرکب و

محمل (سواری) ہوتا ہے اور یہ اجبث الخبائث ہے۔ جب ذبح کرنے والا اللہ کا نام لے تو شیطان خون کے ساتھ ہی نکل جاتا ہے اور ذبیحہ پاک و طیب ہو جاتا ہے۔ اور اگر اللہ کا نام نہ لے تو ذبیحہ سے جبث نہیں نکلتا اور جب اللہ کے دشمن اور اوٹان کا نام لیا جائے تو یہ ذبیحہ دوہرے جبث کا حامل ہو جاتا ہے۔“

ان دلائل سے واضح ہوا کہ جب اہل کتاب غیر اللہ کے لیے، مسیح و عزیر علیہما السلام یا کنیسہ کے نام سے ذبح کریں تو وہ حرام مثل مُردار ہے، اس کا کھانا حلال نہیں جیسا کہ اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ اور امام مالکؒ سے جو (أَكْرَهُ وَلَا أُحَرِّمُ) ”میں مکروہ سمجھتا ہوں حرام نہیں کہتا“ نقل کیا گیا ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ امام صاحب رحمہ اللہ کا اپنا فرمان ہے:

((كُلُّ يُوْخَذُ مِنْ قَوْلِهِ وَيُتْرَكُ إِلَّا صَاحِبَ هَذَا الْقَبْرِ يَعْنِي رَسُولَ اللَّهِ ﷺ))

”ہر شخص کی کوئی بات قبول کی جاسکتی ہے اور کوئی ترک، سوائے اس روضۂ اطہر اور مرقد مقدس کے مکیں رسول اللہ ﷺ کے۔“

بایں ہمہ وہ اسے مکروہ۔ مکروہ شدید۔ سمجھتے تھے تو انکی اس رائے کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائیگا۔ شیخ ابن محمود نے اپنے رسالہ کے ص ۹ پر امام ابن العربی مالکی کا یہ قول نقل کیا ہے:

”مجھ سے اُس نصرانی کے متعلق سوال کیا گیا جو مرغی کی گردن مروڑ کر الگ کرتا اور اسے پکالیتا ہے، کیا یہ جائز ہے کہ ہم اس کے ساتھ وہ گوشت کھائیں؟ میں نے کہا: ہاں کھاؤ، کیونکہ وہ ان کے احبار و رہبان کا کھانا ہے، اگرچہ وہ ہمارے ہاں ذبح نہیں ہوتا۔“

اس میں شک نہیں کہ یہ نظریہ امام ابن العربی کی لغزشوں میں سے ہے۔ اُن سے یا کسی

دوسرے سے منقول یہ بات نامقبول وغیر مُسلم ہے کہ نصرانی، یہودی یا کوئی مسلمان مرغی یا کسی دوسرے جانور کی گردن مروڑ کر الگ کر دے، وہ ایسے ہی مر جائے تو وہ مباح و حلال ہوگی، بلکہ وہ تو مُردار شمار ہوگی۔ امام ابن العربی نے اس پر کوئی دلیل بھی پیش نہیں کی۔ اگر جانور کو شرعی طریقہ چھوڑ کر کسی بھی طرح ذبح کیا جائے تو وہ اُسے مردار بنا دیتا ہے جس کا کھانا حلال نہیں ہے۔

اور پھر شیخ ابن محمود کی وہ شرط کہاں گئی جو انہوں نے اپنے رسالہ کے مقدمہ میں ”فقہائے مذاہب کی حدود و قیود سے آزادی“ کے متعلق لگائی تھی؟ اور یہ کہ وہ صرف وہی کچھ ذکر کریں گے جس پر کتاب و سنت سے دلیل موجود ہوگی۔ جس جانور کی گردن مروڑ کر الگ کر دی جائے اس کی اباحت کی دلیل کہاں ہے؟ مجھے تلاش و تتبع کے باوجود مسلمانوں میں سے کوئی معتبر شخص ایسا نہیں ملا جس نے یہ بات کہی ہو، حتیٰ کی خود امام ابن العربی نے ہی محولہ بالا سطور کے بعد کہا ہے: ”اگر یہ کہا جائے کہ گلا گھونٹ کر یا سر پھوڑ کر بے جان کیے جانے والے جانور جو ذبح بھی نہ کیے گئے ہوں اور وہ ان کا گوشت بھی کھائیں تو؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مردار ہے اور نص صریح کی رو سے حرام ہے، چاہے وہ اسے کھائیں مگر ہم نہیں کھائیں گے، جیسا کہ خنزیران کے لیے حلال اور ان کا کھانا ہے لیکن ہمارے لیے وہ حرام ہے۔“ یہاں امام ابن العربی نے نصرانی کے ہاتھوں گردن مروڑ کر ماری ہوئی مرغی کی اباحت کے خلاف کہا ہے، اور طالب حق کے لیے یہ طے شدہ امر ہے کہ وہ صرف اُس بات کی اتباع کرے جس پر کتابِ الہی اور سنتِ نبوی ﷺ سے دلیل موجود ہو، نہ کہ اُس بات کی جو امام ابن العربی یا کسی دوسرے شخص نے بلا دلیل کہی ہو۔

ایک اہم سوال اور اس کا جواب

ص ۱۰ پر شیخ ابن محمود کا کہنا ہے:

”کیا یہود و نصاریٰ کا اپنے دین کو بدل دینا اُن کے ذباح کے حکم
اباحت میں تغیر کا متقاضی ہے؟ آگے جا کر کہا ہے کہ: ”اُن کے
گوشتوں اور مرغیوں کا بلا قید و شرط کھانا جائز ہے، انہوں نے چاہے
کسی بھی طریقہ سے انہیں ذبح کیا ہو۔“

اُن کے اس کلام کا دو طرح سے جائزہ لیتے ہیں:

اول:

کیا آج کے یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب شمار کیا جائے گا یا ان کی موجودہ دینی حالت کو مد نظر
رکھا جائے گا؟

ہم نے اکثر یہ سنا ہے کہ ان کی کثیر تعداد یہودیت و نصرانیت پر عمل پیرا نہیں بلکہ صرف نام
کی حد تک ان کی طرف منسوب ہیں اور فی الواقع وہ ”علمانی“ ہیں جو کسی بھی دین کو نہیں
مانتے۔ ان میں سے بعض لوگ ”عقیدہ ماسونیہ“ (۱) اختیار کر چکے ہیں اور لوگوں کو بھی اسی
کی طرف دعوت دیتے ہیں اور بعض لوگ اشتراکیت (COMMUNISM) کے حلقہ
بگوش ہو چکے ہیں۔ کیا یہ ان کے اہل کتاب ہونے کو متغیر کر دینے کے اسباب نہیں؟

جیسا کہ ایک مسلمان جب اسلام کو چھوڑ کر بت پرست، بہائی یا کیمونسٹ
ہو جائے اور اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے اور خلاف حقیقت اپنی نسبت اسلام کی

(۱) یہ اسلام دشمن خفیہ یہودی تحریک اور صہیونی سازش ”فری میسنری“ ہے۔ اور عقائد کے اعتبار سے کافر
ہے۔ تفصیل کے لیے ہماری کتاب ”انسانی تاریخ کی خطرناک خفیہ ترین تحریک“ کا مطالعہ کریں۔ (قمر)

طرف کرتا رہے تو کیا وہ مسلمان ہی ہوگا؟ بلا تردّد وہ مسلمان نہیں ہوگا۔ اسی طرح وہ اہل کتاب جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے ان کا اپنے دین کو ترک کر کے اشراکیت وغیرہ ادیانِ باطلہ کی طرف جھک جانا انہیں اہل کتاب کے حکم سے خارج کر دیتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ گذشتہ صفحات میں گزرے کلام کے بعد کہتے ہیں:

”آدمی کا کتابی یا غیر کتابی ہونا وہ حکم ہے جو اسے ذاتی طور پر فائدہ دیتا ہے نہ کہ نسبی طور پر لہذا ہر وہ شخص جو اہل کتاب کے دین کا پابند ہو وہ انہی میں سے ہے چاہے اس کے باپ دادا ان کے دین میں داخل ہوئے ہوں یا نہ، اور اس کا داخلہ نسخ و تبدیل کے بعد ہو یا اس سے پہلے۔ اس کے متعلق امام احمدؒ سے نص صریح موجود ہے، اگرچہ ان کے اصحاب کرام میں اس بات پر اختلاف معروف ہے اور یہ بات صحابہ کرامؓ سے بلا نزاع ثابت ہے اور امام طحاوی نے ذکر کیا ہے کہ یہ اجماع قدیم ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کتابی اپنے دین سے نکل کر کسی دوسرے دین میں چلا جائے تو اس پر اسی نئے دین وثنی یا اشتراکی کا حکم عائد کیا جائے گا۔

دوم:

”اہل کتاب کے ذبح کردہ جانور اور مرغی کا گوشت کھانا بلا شرط جائز ہے انہوں نے اسے چاہے کس کیفیت اور کس انداز سے ذبح کیا ہو۔“

ان کا یہ دعویٰ بھی محلِ نظر ہے۔ ایک مسلمان کا ذبیحہ جو کسی بھی غیر مسلم کے ذبیحہ سے بہتر، افضل، اکمل اور اعلیٰ ہے، جب وہ بھی شرعی طریقہ سے ذبح کیے بغیر مباح نہیں تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اہل کتاب کا وہ ذبیحہ جسے انہوں نے معروف و مثالی طریقہ کے علاوہ کسی بھی انداز سے ذبح کیا ہو، وہ تو حلال ہو مگر ذبیحہٴ مسلم حلال نہ ہو۔

نبی اکرم ﷺ نے اہل کتاب کے ذباح سے گوشت کھایا اور مسلمانوں کو کھانے کی اجازت دی۔ یہ اس لیے تھا کہ وہ بھی شرعی طریقہ سے حلق ورگ کاٹ کر ذبح کرتے تھے اور غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے کو حرام جانتے تھے۔ جیسا کہ تفصیلاً ذکر گزرا ہے۔ بصورت دیگر اس کا حکم بھی مختفہ (گلا گھٹنے) یا موتو ذہ (چوٹ سے مرنے) کا ہوگا۔

ہمیں اس تناقض را

ص ۱۱ پر لکھا ہے:

”ذبح کرنے کے لیے چھوٹے اور مقدور علیہ جانوروں میں یہی عادت عام تھی کہ اُن کا حلق ورگ اور حلق کی دائیں بائیں رگیں کاٹی جاتی تھیں، اس بناء پر فقہاء نے اسے اصل قرار دے دیا اور مقصود بالذات سمجھ لیا۔“

اس جملہ میں شیخ ابن محمود نے کسی جانور کے گوشت کی اباحت وحلت کے لیے ذبح کے مشروط ہونے کا اعتراف کیا ہے جبکہ اس سے قبل ص ۷ پر انہوں نے یہ کہتے ہوئے ذبح کو غیر مشروط قرار دیا تھا کہ: ”ہمارے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں جس سے ثابت ہو کہ ذبح کا انحصار صرف حلق ورگ کاٹنے پر ہے جیسا کہ فقہاء نے شرط لگائی ہے بلکہ یہ ایک عادت تھی جو زمانہ جاہلیت اور اسلام میں چل نکلی تھی۔“ مگر یہاں چھوٹے جانوروں کو ذبح کرنے کے لیے ان کا حلق ورگ اور دوسری رگیں کاٹنے کو شرط قرار دیا ہے۔ اس طرح یہاں وہ چیز ثابت کی جس کی پہلے نفی کی تھی، حالانکہ چھوٹے بڑے جانوروں میں کوئی فرق نہیں بلکہ ہر چھوٹے بڑے جانور میں ذبح کے لیے حلق ورگ کاٹنے یا لبہ میں نحر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں جیسا کہ بدیل بن ورقاء رحمہ اللہ سے مروی حدیث اور بخاری کی وہ حدیث جو انہوں نے

اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کی ہے اور جیسا کہ ﴿إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾ سے معلوم ہو رہا ہے۔

غلط قیاس:

البتہ انہوں نے جو پدک جانے والے جانور کی طرف اشارہ کیا ہے اُس کا حکم خاص ہے۔ اسے ذبح کرنے والا کسی بھی جگہ کا نشانہ لے کر قتل کرے تو وہ مباح ہے کیونکہ وہ غیر مقدور علیہ ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

((إِنَّ لَهُذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدًا كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا فَعَلَ مِنْهَا هَذَا فَاَفْعَلُوا بِهِ هَكَذَا))
(بخاری ۸۲۷/۲)

”یہ جانور بھی وحشی جانوروں کی طرح غضبناک ہو کر پدک جاتے ہیں

لہذا جو جانور ایسا کرے، اُس کے ساتھ یہ طریقہ استعمال کرو۔“

نبی ﷺ کا یہ کہنا کہ ”جو جانور ایسا کرے یعنی پدک جائے اس کے ساتھ یہ طریقہ استعمال کرو“۔ یہ فرمان ایسے جانور کو اس طریقہ سے ذبح کرنے کے لیے مخصوص کرتا ہے جو پدک کر بھاگ جائے اور اگر جانور ایسا نہ کرے تو پھر اُسے لَبَّ سے نحر کرنا حدیث بدیل بن ورقاء رضی اللہ عنہ میں وارد فرمان نبوی ﷺ ((مَا أَنْهَرَ الدَّمَ)) کی رو سے مقرر و متعین ہے۔ اس طرح غیر مقدور علیہ کے ذبح کو مقدور علیہ کے ذبح پر قیاس کرنا ”قیاس مع الفارق“ ہے جیسا کہ اس پر مشارالیه حدیث، حدیث صید (شکار)، حدیث کلب (کتا) اور غیر مقدور علیہ کے ذبح سے متعلقہ دیگر احادیث دلالت کرتی ہیں۔ اور شیخ ابن محمود وَفَّقَهُ اللَّهُ - غیر مقدور علیہ کا حکم مقدور علیہ کے ذبح کے لیے عطا کرنا چاہتے ہیں حالانکہ اجماع مسلمین نے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے جیسا کہ احادیث کثیرہ سے واضح ہوتا ہے جن میں سے بعض کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

اجماع امت کے خلاف:

اسی ص ۱۱ پر شیخ ابن محمود لکھتے ہیں:

”کیا ہم اہل کتاب کے ذبح کردہ گوشت کو بازوؤں اور کتوں کے ذبح پر محمول نہ کر لیں؟“

اہل کتاب اگر بازوؤں اور کتوں کی طرح ہی ذبح کریں تو وہ حلال نہ ہوگا کیونکہ ذابح کیلئے بھی قصد و نیت ہے اور وہ جسے ذبح کرنا چاہتا ہے اس پر قادر ہے۔ مگر جسے بازو اور کتے ماردیں اس میں سے کھانا جائز نہیں جب تک کہ وہ سدھائے ہوئے نہ ہوں اور انہیں چھوڑنے والے نے تکبیر نہ پڑھ لی ہو۔ جیسا کہ ﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ﴾ (۱) میں حکم الہی ہے۔ وہ شکاری کے تیر اور ذابح کی چٹھری کے قائم مقام ہوں گے۔ کیونکہ کتے یا بازو کو چھوڑنے والا چھوڑتے وقت تکبیر پڑھ لیتا ہے اور پھر اسے چھوڑتا یا روکتا ہے۔ جسے وہ شکار کر لیں وہ سدھائے ہوئے جانوروں کا شکار ہے اور وہ جانور چھوڑنے والے کی طرف سے آلہ ذبح کے قائم مقام ہوتے ہیں، اس لیے ان کے ذبح کو ذابح اہل کتاب پر کس طرح قیاس کیا جاسکتا ہے؟ اور جہاں قیاس جائز ہے وہاں صحت قیاس کے لیے اصل و فرع کا مساوی ہونا شرط ہے۔ علاوہ ازیں اگر کوئی شخص شکار کے لیے بازو کو چھوڑے، وہ اسے زخمی کر دے مگر بازو چھوڑنے والا شکار کے دم توڑنے سے پہلے پہنچ جائے، اس کے باوجود وہ اُسے ذبح نہ کرے اور جانور خود بخود مر جائے تو وہ حلال نہیں اور یہی حال کتے کے شکار کا ہے کہ اگر وہ جانور کو قتل نہ کرے اور شکاری ذبح پر قادر ہو جانے کے باوجود ذبح نہ کرے تو وہ حلال نہیں لہذا اہل کتاب کے ذابح ان کے قائم مقام کیسے ہوں گے؟

(۱) ترجمہ: ”اور وہ (شکار) بھی حلال ہے جو تمہارے لیے ان شکاری جانوروں نے پکڑا ہو جنہیں تم نے سدھا رکھا ہو۔“

ص ۱۲ پر وہ لکھتے ہیں:

”اہل کتاب کے ہاں ذبح کرنے کی مخصوص عادات تھیں اور ان کی عادات کا مسلمانوں کی عاداتِ ذبح کے موافق ہونا لازمی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذبائحِ بلا قید و شرط حلال کیے ہیں جبکہ وہ ان کے اندازِ ذبح کو جاننے والا ہے۔“

یہ بھی ان کے گذشتہ نظریہ کی طرح ہی ہے جس میں انہوں نے اہل کتاب بلکہ مسلمانوں تک کے ذبح کو غیر مشروط قرار دیا ہے اور ہم نے اس رائے کے فساد و بگاڑ کو بیان کر دیا ہے۔ انہوں نے اہل کتاب کی عاداتِ ذبح واضح کیوں نہیں کیں؟ اور وہ کیا انداز تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے ذبح کرنے کے بارے میں جانتے ہوئے بھی ہمارے لیے اُن کے ذبائحِ حلال کیے ہیں؟ ہم ذکر کر آئے ہیں کہ اہل کتاب کا ذبح کرنا بھی مسلمانوں کی طرح ہی ہے اور ارشادِ الہی ﴿إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾ ہر کسی کے لیے عام ہے اور موقوفہ و متحققہ ہر کسی کے لیے حرام ہیں۔

ص ۱۵ پر وہ لکھتے ہیں:

”بہر حال جب اللہ نے اہل کتاب کے ذبائح ہمارے لیے بلا قید و شرط حلال کیے ہیں تو ہمارے لیے مباح ہے کہ ہم انہیں کھائیں انہوں نے چاہے کس طرح ذبح کیے ہوں۔ اور یہ نہیں چاہیے کہ ہم ان کے ذبائح کی کیفیت کی تفتیش و تحقیق کرتے پھریں، یہاں تک کہ بالفرض انہوں نے مکروہ بلکہ حرام طریقہ سے بھی ذبح کیا ہو تو اُن کے کھانے پر ہم بے گناہ ہیں۔“

شیخ ابن محمود کے اس قول کے فساد و بگاڑ کا ذکر وہاں گزر گیا ہے جہاں انھوں نے کہا ہے:

”ذباح اہل کتاب بلا قید و شرط مباح ہیں چاہے کسی طرح بھی وہ ذبح کیے گئے ہوں اور بالفرض انہوں نے مکروہ یا حرام طریقہ سے ذبح کیا ہے تو بھی اس کے کھانے پر ”وہ بے گناہ ہیں“۔

خلاصہ:

خلاصہ یہ کہ مسلمان کے ذبیحہ میں اصل حلت ہے۔ اسی طرح جسے اہل کتاب نے ذبح کیا ہو اس میں بھی اُس وقت تک اصل حلت ہے جب تک کہ کسی تحریم کی متقاضی بات کا علم نہ ہو جائے اور جس کا ذبح کرنے والا مجہول ہو اور ذبح کا کچھ علم نہ ہو اس میں اصل تحریم ہے کیونکہ جماع اور جانوروں میں اصل حرمت ہے اور جب اباحت و ممانعت یکجا جمع ہو جائیں تو ممانعت کی جانب غالب ہوگی۔

جب یہ معلوم ہو جائے کہ مسلمان اور کتابی نے غیر اسلامی طریقہ سے سر پھوڑ کر یا پیٹ پھاڑ کر یا اسکے علاوہ کسی طرح ذبح کیا ہے تو وہ تمام مسلمانوں کے نزدیک بالاتفاق حرام ہے۔ شیخ ابن محمود نے اپنے رسالہ میں کئی اطلاقات قائم کیے ہیں اور ہر اس گوشت کی اباحت کا فتویٰ دے دیا ہے جس کا ذبح کرنے والا مسلمان، کتابی یا علمانی و بے دین ہو یا چاہے وہ کسی بھی الحادی مذہب والا مثلاً کیمونسٹ و قادیانی ہو۔ اس فتویٰ میں انہوں نے جماع امت کی مخالفت کی ہے اور جو کچھ کہا ہے وہ کتاب و سنت، قول صحابی و تابعی یا کسی بھی معتبر صاحب علم سے مستند نہیں ہے۔ (فَاللّٰهُ يُسَامِحُهُ وَيَعْفِرُ لَنَا وَلَهُ) ”اللہ انھیں معاف کرے، نیز ہماری اور انکی مغفرت فرمائے“۔

بوقت ذبح جانور پر احسان کا حکم:

ص ۱۶ پر شیخ ابن محمود نے لکھا ہے:

”مجھے ایک فاضل شہزادے نے بتایا کہ انھوں نے سویٹزر لینڈ میں لوگوں کو گائے ذبح کرتے دیکھا ہے جبکہ انکے ساتھ کئی دوست بھی تھے۔ وہ بڑے بڑے بیلوں کو لاتے اور جس بیل کو ذبح کرنا ہوتا اسے باندھ دیتے۔ ایک آدمی لوہے کا کوڑا اس کے سر پر مارتا جس سے وہ غش کھا کر گر جاتا، پھر قصاب اسے نحر سے ذبح کرنے میں جلدی کرتا جس طرح کہ ہم ذبح کرتے ہیں۔ شیخ ابن محمود کہتے ہیں کہ کوڑے کی اس چوٹ سے وہ قتل نہیں کرنا چاہتے بلکہ جانور کو قوتِ حرکت اور بھاگ جانے سے معذور کر کے اسے زندہ رکھتے ہوئے صرف ٹھہرانا و بے بس کرنا چاہتے ہیں۔“

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ذبح کرنے والا اسے زندہ ہونے کی حالت میں ذبح کر لے تو اس کا کھانا مباح ہے لیکن بیل یا کسی دوسرے جانور کے سر پر لوہے کے کوڑے کی چوٹ مارنا ناجائز ہے۔ اور فضیلۃ الشیخ نے یہ واقعہ اس انداز کے لیے اپنی رضامندی کے طور پر بیان کیا ہے، اور جانور کو عذاب دینے کے حکم پر تنبیہ نہیں کی۔ حالانکہ بیل کے سر پر چوٹ مار کر ایسا کرنا ناجائز نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ))

”اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض کیا ہے۔“

اور احسان یہ ہے کہ جانور کو یہ بدترین عذاب نہ دیا جائے، بلکہ اسے چاہیے کہ کسی

کو تعاون کرنے کا کہے اور یہ المناک چوٹ مارے بغیر اسے لَبَّ سے نحر کر لے۔ اور یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ اُس آدمی کے پاس علم و فقہ کا حظ وافر موجود ہے جو کہ دوسرے کے پاس نہیں جو اُس بیل کے گوشت کو مباح کہتا ہے چاہے اسے کسی بھی طرح قتل کیا گیا ہو، مگر یہ آدمی جانور کے سر پر چوٹ پڑنے کے بعد اسے ذبح کرنے میں جلدی کرتا ہے تاکہ بیل اُس چوٹ سے مرنے جائے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر اس چوٹ سے ہی مر گیا تو حلال نہ ہوگا۔ اور پھر شیخ ابن محمود اس بیل کے سر پر لوہے کے کوڑے کی چوٹ مار کر اسے غشی کی حالت میں ساکن کر کے ذبح کرنے کے عمل کی رضا کارانہ تائید کرتے ہوئے ص ۱۶ پر ہی کہتے ہیں:

”جیسا کہ قدیم تاریخ سے پرانے اطباء کے عملِ جراحی (OPERATION) کا انداز ثابت ہے کہ جب وہ کوئی بہت بڑا آپریشن کرنے اور کسی ہڈی یا عضو کو کاٹنے کا ارادہ کرتے تو اس مریض کو تکلیف سے بچانے کے لیے اس کے شعور کو ختم کر دینے کی خاطر اس کے سر پر لوہے کے کوڑے برسنا شروع کر دیتے یہاں تک کہ وہ لاشعور ہو جائے پھر عملِ جراحی شروع کرتے۔ اور یہ ویسا ہی ہے جس طرح قصاب بیل کے سر پر ضرب لگاتا ہے یہاں تک کہ وہ جانور غش کھا کر مُردے کی طرح گر جائے“

یہ ایک واضح غلط بات ہے، کیونکہ مریض کو اس کے گوشت کے لیے ذبح کرنے کا ارادہ تو نہیں ہوتا۔ لہذا جانور کو چوٹ مارے بغیر ذبح کرنا چاہیئے۔ حدیث میں ہے:

((إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ

فَاحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَةَ وَلْيُجِدْ
أَحَدُكُمْ شَفَرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ))

”اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ جب کسی کو قتل کرو تو مقتول کو آسان طریقہ سے قتل کرو۔ اور جب کسی جانور کو ذبح کرو تو اسے آرام دہ طریقہ سے ذبح کرو تمہیں چاہیے کی پٹھری کو تیز دھار بنا کر ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ۔“

غرض قضیہ طب میں مریض کی زندگی اور عضوِ فاسد کی اصلاح مطلوب ہوتی ہے لہذا جانور اور مریض میں نمایاں فرق ہے۔

ص ۷۱ پر حضرت عدی رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ حدیث اور بخاری شریف کی ایک حدیث ذکر کرنے کے بعد شیخ ابن محمود لکھتے ہیں:

”إِنْ أَحَادِيثَ فِي بَنِي أَكْرَمَ ﷺ كِي طَرَفٍ سَ اسْ كُوشْتِ كِي
أَبَاحَتِ كَ سَلسَلَهٗ مِیں وَسَعَتِ وَنَرْمِیْ مَلْتِیْ هَیْ جَسَے كَتَے یَا بَازِ نَے قَتْلِ
كِیَا هُوبَكِهٖ وَهٖ جَانُورِ ذَبْحِ كَے لِیَے غَیْرِ مَقْدُورِ عَلَیْهِ هُیْ۔“

یہاں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ جو جانور غیر مقدور علیہ ہو، اُسے کتے یا باز کے ذریعے شکار کر کے کھانا مباح ہے، مگر ص ۱۱ پر اس کے برعکس یہ کہا تھا کہ ”ہم اہل کتاب کے ذبیحہ کو بازوں اور کتوں کے ذبیحہ کے قائم مقام کیوں نہ رکھ لیں؟“ گویا غیر مقدور علیہ جانور جسے شکاری کے سدھائے ہوئے کتے اور باز کے ذریعے ذبح کیا جاتا ہے، اُسے وہاں انھوں نے مقدور علیہ جانور کے برابر کر دیا ہے۔

کیمونسٹ ممالک کے گوشت کا حکم

ص ۱۸ پر لکھا ہے:

”وہ گوشت اور مرغیاں جو کیمونسٹ ممالک سے درآمد (IMPORT) کی جاتی ہیں ان کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ جب بھی گوشت و مرغی جیسی کوئی چیز کسی مجہول الحال ملک سے لائی گئی ہو تو ہمارے لیے جائز ہے کہ اُس پر اللہ کا نام لیں اور کھالیں۔ اور اصل اباحت پر اعتماد کرتے ہوئے اور اُن کے حدیث بخاری: ((سَمُّوَاللّٰہَ اَنْتُمْ وَکُلُوْا)) کے عموم میں داخل ہونے کی بناء پر اُن کے متعلق کوئی سوال نہ کریں۔“

اُنکی یہ بات محل نظر ہے۔ کیمونسٹ ممالک کا ذبح کردہ گوشت کھانا ہمارے لیے جائز نہیں کیونکہ وہ کسی بھی دین پر نہیں ہوتے۔ جس طرح ان کی عورتوں سے شادی کرنا جائز نہیں، اُسی طرح ہی اُن کے ذبائح بھی ہیں۔ اور اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

شیخ ابن محمود نے اُن کے ذبح کردہ گوشت کے بارے میں سوائے اپنی ذاتی رائے کے کسی چیز پر اعتماد نہیں کیا۔ ان کا یہ کہنا کہ: ”اصل اباحت پر اعتماد کرتے ہوئے۔“ یہ اس طرح صحیح نہیں بلکہ اس میں اصل حرمت ہے، جیسا کہ حافظ ابن رجب، امام ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، حافظ ابن حجر، امام نووی اور امام خطابی وغیرہ نے کہا ہے۔ ہاں اگر جانور کو مسلمانوں یا اہل کتاب نے ذبح کیا ہو تو اس شکل میں واقعی اصل اباحت ہی ہے لیکن ذبح سے پہلے یا ان کے علاوہ کسی اور کے ذبح کردہ میں اصل حرمت ہے جیسا کہ تفصیل گزر گئی ہے۔

اُن کا کیمونسٹوں وغیرہ کے ذبیحہ کی اباحت پر حدیث رسول ﷺ: ((سَمُّوَاللّٰهَ اَنْتُمْ وَكُلُوْا)) سے استدلال کرنا سراسر بے جا ہے۔ کیونکہ اُس حدیث میں جس گوشت کا ذکر ہے وہ ایسے بادیہ نشینوں کی طرف سے ہدیہ دیا گیا تھا جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، تو نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ ”تم خود اس پر اللہ کا نام لو اور کھاؤ“۔ کیونکہ گوشت کا ہدیہ دینے والے مسلمان قوم سے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ذبح کے وقت ان کے بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہنے یا نہ کہنے کے بارے میں شکایت کرتے ہوئے کہا تھا:

”یا رسول اللہ ﷺ! یہ قوم ہمارے پاس گوشت لاتی ہے اور ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے اس پر اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((سَمُّوَاللّٰهَ اَنْتُمْ وَكُلُوْا))“ یعنی مسلمان کا ذبیحہ تو مباح ہے اگرچہ وہ نو مسلم ہی کیوں نہ ہو اور بوقت ذبح جہالت کی بناء پر یا بھولے سے انہوں نے اللہ کا نام نہ لیا تو تم خود اللہ کا نام لو اور کھاؤ۔ نہ کہ اُن غیر مسلم یا اہل کتاب میں سے ایسے لوگوں کا ذبیحہ جن کا ذبیحہ مباح نہیں لہذا شیخ ابن محمود کا کیمونسٹوں وغیرہ کے ذبیحہ کی اباحت کے لیے اس حدیث سے استدلال کرنا بے محل ہے۔

یہ مسئلہ چونکہ نہایت اہم ہے، اس کے حل کی سخت ضرورت ہے اور مسلمان اس میں بکثرت مبتلا ہیں لہذا اس کی مزید وضاحت کے لیے عرض ہے کہ جماع اور حیوانات میں اصل تحریم ہے اور اُس وقت تک جماع حلال نہیں جب تک کہ تمام ارکان و شروط پڑنی صحیح و شرعی نکاح نہ ہو۔ اسی طرح ہی جانوروں کا گوشت اُس وقت تک مباح نہیں جب تک کہ ذبح کے اہل لوگوں کے ہاتھوں اس کا ذبح ہونا ثابت نہ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے مردار، خون، خنزیر کا گوشت (PORK)، غیر اللہ کے نام کیے گئے، گلا گھٹنے سے مرنے والے، چوٹ سے مرنے والے، بلندی سے گر کر مرنے والے، سینک سے مرنے والے اور وحشی خوردہ جانوروں کا گوشت حرام کیا ہے، سوائے اُس کے

جسے تم نے ذبح کر لیا ہو۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حیوان میں اصل تحریم ہے جب تک کہ اُسے مسلمان یا اہل کتاب نے حلق اور رگ کے ساتھ ساتھ بعض اہل علم کے نزدیک گلے کی دائیں بائیں رگیں بھی کاٹ کر ذبح نہ کیا ہو۔

ڈبوں میں پیک ملنے والا گوشت

وہ گوشت جو ڈبوں میں پیک آتا ہے، اگر وہ بلاد اسلامیہ، بلاد اہل کتاب یا اُن ملکوں سے امپورٹ کیا گیا ہے جہاں اہل کتاب کی کثرت ہے، اور ان کی عادت ہے کہ وہ شرعی طریقہ سے ذبح کرتے ہیں تو اُس کے حلال ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور اگر وہ گوشت ایسے ملکوں سے درآمد کیئے گئے ہوں جہاں عام رواج ہے یا جہاں کے اکثر لوگ گلا گھونٹ کر، سر پھوڑ کر یا بجلی کے جھٹکے (ELECTRIC SHOCK) کے ذریعے ذبح کرتے ہیں تو اُس کے حرام ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ یوں جس جانور کو غیر مسلم یا غیر اہل کتاب مثلاً دُشمنی و بُت پرست، مجوسی و آتش پرست، قادیانی یا مرزائی اور کیمونسٹ وغیرہ ذبح کریں، اُن کا ذبح کردہ گوشت مباح نہیں، کیونکہ کھانے کے لیے حلال بنانے والے ذبح کی شرط یہ ہے کہ وہ صاحب عقل مسلمان یا کتابی کے ہاتھوں ہو، اور اس میں قصد و ارادہ کا عمل دخل بھی ہو، ان کے علاوہ کسی دوسرے کا ذبح کردہ گوشت مباح و حلال نہیں ہے۔

جب وہ گوشت مجہول الحال ہوں، جہاں سے وہ گوشت آئے ہیں اُس ملک کی حالت کا یہ پتہ نہ ہو کہ آیا وہاں کے لوگ شرعی طریقہ سے جانور کو ذبح کرتے ہیں یا نہیں؟ اور ذبح کرنے والوں کے عقائد و نظریات معلوم نہ ہوں تو اُس ملک سے آنے والے گوشت

کے حرام ہونے میں بھی جانبِ خطر و ممانعت کے غالب ہونے کی بناء پر کوئی شک نہیں کہ جس کے باسیوں کی عادتِ ذبحِ پردہٴ اخفاء میں ہو۔ کیونکہ جب کسی چیز میں اباحت اور خطر و ممانعت یکجا جمع ہو جائیں تو جانبِ خطر غالب ہوگی چاہے یہ صورتِ ذباحہ میں ہو یا شکار میں، اسی طرح ہی نکاح کا معاملہ بھی ہے جیسا کہ بے شمار اہل علم نے کہا ہے جن میں سے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، علامہ ابن قیم اور حافظ ابن رجب حنابلہ میں سے اور ایسے ہی حافظ ابن حجر عسقلانی اور امام نووی وغیرہ ہیں۔ جنہوں نے صحیحین وغیرہ والی حضرت عدی بن حاتمؓ سے مروی سابقہ حدیث ((إِذَا أُرْسِلَتْ كَلْبُكَ الْمُعْلَمَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ فَكُلْ فَإِنْ وَجَدْتَ مَعَهُ كَلْبًا آخَرَ فَلَا تَأْكُلْ)) سے استدلال کیا ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب اس کے اپنے سدھائے ہوئے کتے کے ساتھ دوسرا کتا بھی پایا جائے تو جانبِ خطر کے غالب ہونے کے بناء پر اُسے کھایا نہیں جائے گا۔ کیونکہ اس شکار میں سببِ اباحت یعنی اس کا سدھایا ہوا کتا اور باعثِ عدمِ اباحت یعنی دوسرے کتے کی شراکت دونوں جمع ہو گئے ہیں لہذا رسول اللہ ﷺ نے اس کے کھانے سے منع فرمادیا۔ ایسے ہی نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((إِذَا أَصْبَتَ بِسَهْمِكَ فَوْقَ فِي الْمَاءِ فَلَا تَأْكُلْ)) (متفق علیہ)

”جب تیرا تیر لگ جائے اور شکار پانی میں گر جائے تو اسے نہ کھا۔“

اور ترمذی میں ایک روایت ہے:

((إِذَا عَلِمْتَ أَنَّ سَهْمَكَ قَتَلَهُ وَلَمْ تَرَ فِيهِ أَثَرَ سَبْعِ فَكُلْ))

”جب تجھے یقینی علم ہو کہ تیرے تیر نے شکار کو قتل کر دیا ہے اور تو اس

میں کسی درندے کا نشان نہ پائے تو اسے کھالے۔“

امام ترمذی نے حضرت عدی بن حاتمؓ والی اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

① حافظ ابن حجر عسقلانیؒ:

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے شکار کے بارے میں لکھا ہے: ”تیر انداز کے تیر کے علاوہ اُس میں جو نشان پایا جاتا ہے وہ عام ہے کہ شاید کسی دوسرے تیر انداز کے تیر کا نشان ہو یا اسبابِ قتل میں سے کسی اور سبب کا نشان ہو۔ اس تردد کی بناء پر اس کا کھانا حلال نہیں۔“ اور انہوں نے ((وَأِنْ وَقَعَ فِي الْمَاءِ فَلَا تَأْكُلْ)) کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے: ”اگر شکار پانی میں گر جائے تو اسے مت کھاؤ کیونکہ ایسی حالت میں یہ تردد واقع ہو جاتا ہے کہ اسے تیر نے قتل کیا ہے یا پانی میں غرق ہونے نے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس کا تیر نشان پر لگ گیا جس سے وہ بے جان ہو گیا اور تیر کے ساتھ قتل ہونے سے پہلے وہ پانی میں نہیں گرا تو اس کا کھانا حلال ہے۔“

② امام نوویؒ:

امام نوویؒ نے صحیح مسلم کی شرح میں لکھا ہے:

”جب شکار پانی میں ڈوبا ہوا ملے تو وہ بالِ اتفاق حرام ہے۔“

③ امام رافعیؒ:

امام رافعیؒ نے تصریح فرمائی ہے:

”یہ اُس وقت تک ہے جب تک کہ شکار اس زخم سے حالتِ ذبح تک نہ پہنچ جائے اور اگر بالفرض حلق کاٹنے سے وہاں تک پہنچا تو اس کا ذبح مکمل ہو گیا اور اس بات کی تائید صحیح مسلم کی یہ روایت بھی کرتی ہے:

((فَإِنَّكَ لَا تَذَرِي، أَلْمَاءَ قَتَلَهُ أَوْ سَهْمُكَ؟))

”تو نہیں جانتا کہ اُسے پانی نے قتل کیا یا تیرے تیر نے؟“

درآمدہ گوشت کی شرعی حیثیت

یہ دلیل ہے کہ جب اس بات کا یقینی پتہ چل جائے کہ وہ تیر سے ہی قتل ہو گیا ہے تو وہ حلال ہے۔ (ملخصاً از فتح الباری)

④ امام خطابیؒ:

امام خطابیؒ نے کہا ہے:

”شکار کے پانی میں پائے جانے کی شکل میں اُسے کھانے سے اس بناء پر روکا گیا ہے کہ ممکن ہے پانی نے اسے ڈبولیا ہو اور اس کی ہلاکت کا سبب پانی ہی ہو نہ کہ وہ تیر جو آلہ ذبح ہے، اور یہی حال اس صورت میں ہے جب اُس میں شکاری کے تیر کے علاوہ کوئی نشان پایا گیا ہو۔“

در اصل رخصتوں میں اُن تمام شرائط کی پوری پوری رعایت رکھی گئی ہے جن کی بناء پر اباحت واقع ہوتی ہے۔ جو نبی اُن میں سے کسی شرط کی کمی واقع ہو جائے معاملہ اصل۔ تحریم کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

خلاصہ کلام:

گذشتہ کلام سے واضح ہو گیا کہ مذکورہ صفات والے ممالک سے امپورٹ کیے جانے والے گوشت حرام ہیں اور قواعد شرع کے تقاضے اُن کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ حضرت عدیؓ وغیرہ والی حدیث میں ہے کہ جب سدھائے ہوئے کتے کے ساتھ کوئی دوسرا کتا بھی شامل ہو یا جیسے کوئی شکاری تیر مارے اور شکار پانی میں گر جائے تو اس بات کا احتمال ہے کہ اسے کسی دوسرے کتے یا پانی نے ہلاک کیا ہو۔ اور جو ترمذی کی حدیث میں ہے:

((إِذَا عَلِمْتَ أَنَّ سَهْمَكَ قَتَلَهُ وَلَمْ تَرَ فِيهِ أَثَرَ السَّبْعِ فَكُلْ))

”جب تجھے معلوم ہو جائے کہ شکار کو تیرے تیر نے قتل کر دیا ہے اور تو اُس میں کسی درندے کا نشان نہ پائے تو کھالے۔“

اس حدیث کا مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر اس شکار میں کسی درندے کا نشان موجود ہو تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ قارئینِ کرام اس وضاحت سے بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ جب معاملہ دو چیزوں یعنی اباحت و ممانعت کے درمیان متردد ہو تو ممانعت کی جانب ہی غالب ہوگی۔ اور یہ تردد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی بخاری و مسلم وغیرہ کی حدیث ((اَنْ قَوْمًا حَدِيثُوا عَهْدٍ بِاِسْلَامٍ يَأْتُونَنَا بِالْحُومِ فَلَا نَذِرِي اَذْكُرُوا السَّمَّ اللّٰهِ عَلَيْهِ اَمْ لَا ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ سَمُّوَاللّٰهَ اَنْتُمْ وَكُلُّوْا)) میں نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث مسلمان قوم کے بارے میں ہے۔ بات صرف اتنی تھی کہ وہ عہدِ کفر سے نکل کر نئے نئے ہی اسلام لائے تھے۔ اس کے برعکس جو گوشت بیرونی ممالک سے اپورٹ کیے جاتے ہیں، اُن کا ذبح کرنے والا نہ تو مسلمان ہے نہ ہی کتابی بلکہ مجہول الحال ہے جیسا کہ سطورِ بالا میں مذکور ہے۔

اور ایسے ملک کا گوشت جہاں کے تمام لوگ یا اُن کی اکثریت جانور کو شرعی طریقہ سے ذبح کرتے ہوں اور وہ مسلمان یا کتابی ہوں تو ان کا ذبیحہ ہمارے لیے حلال ہے اور اگر وہ غیر شرعی طریقہ مثلاً گلا گھونٹ کر، سر پھوڑ کر یا بجلی کے جھٹکے سے ذبح کرتے ہوں تو اُن کا ذبیحہ حرام ہے اور اگر معاملہ مجہول ہو، آپ کو معلوم ہی نہ ہو کہ وہ کیسے ذبح کرتے ہیں؟ تو اُن کا ذبیحہ جانبِ خطر و ممانعت کے غالب ہونے کی بناء پر حلال نہیں ہوگا۔ اور آج کل اکثر لوگ جو ذبح و غیر ذبح کی پرواہ کیے بغیر تمام گوشت کھائے جا رہے ہیں انکے اس فعل کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ فَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ

ایسے گوشت کے مُضرّ اثرات

علماء کرام نے لکھا ہے کہ مُردہ جانور (جو شرعی طریقہ سے ذبح نہ کیا گیا ہو) اسکا گوشت کھانے کے دینی اعتبار سے دل پر بڑے بُرے اثرات مرتّب ہوتے ہیں۔

① علامہ قاسمی:

علامہ قاسمی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

”مردار وہ ہے جسے فنائے حیات اور پڑمردگی قوّت کی بناء پر موت طاری ہو۔ اور موت کے ساتھ فساد ترکیب و تعلق، لذتِ اجزاء و اعضاء کے خاتمے بلکہ ان کے متعفن ہونے اور روح حیات و طہارت کے فقدان کی بناء پر یہ گوشت جسمِ انسانی کے لیے مُفسد ترین ہے۔“

② علامہ مہائی:

علامہ مہائی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے:

”اللہ تعالیٰ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حرام یعنی مُردار اور دیگر مذکورہ اقسام کا گوشت کھانا محبتِ الہی کو منقطع کر دیتا ہے۔ کیونکہ مردار میں سے جب اللہ کے تحقیقاً تقدیراً نام سے ذبح کیے بغیر ہی اُس کی روح پرواز کر جائے تو اس میں جَبْث پیدا ہو جاتا ہے اور جب اسے کھانے والوں کی ارواح کا خبیث چیز سے تعلق ہو جائے تو ان میں بھی جَبْث سرایت کر جاتا ہے اور محبتِ الہی اُن سے منقطع ہو جاتی ہے۔

لیکن مُردہ مچھلی مباح ہے کیونکہ اسکا اصل ماءِ مطہر یعنی پاک کرنے والا پانی ہے یوں جیسے نجاست اس پر مؤثر نہیں ہوتی ایسے ہی اس کی روح کا پرواز کر جانا بھی کوئی ایسا اثر نہیں چھوڑتا جیسا کہ دیگر میں ہوتا ہے۔ اور مکڑی (ٹڈی) چونکہ تولّد کے بغیر ہی وجود میں آتی ہے لہذا اتمام کیڑے مکوڑوں کی طرح اس میں جَبْث نہیں ہوتا۔“

③ علامہ ہان الدین بقاعی:

علامہ ہان الدین بقاعی نے اپنی تفسیر ”نظم الدرد“ میں کہا ہے: ”مردار وہ ہے جس کی روح شرعی ذبح کے بغیر ہی پرواز کر جائے۔ اور ہر وہ جانور جو طبعی موت مر جائے اس کا خون رگوں کے اندر نجس ہو جاتا ہے جو متعفن ہو کر فاسد بن جاتا ہے۔ اُس کا کھانا بدن کے لیے ظاہری طور پر بھی نقصان دہ ہوتا ہے اور دینی اعتبار سے اُس کے جو مُضَرّ اثرات ہیں انہیں اہل بصیرت جانتے ہی ہیں۔

جو جانور اپنی موت آپ مرے اس کا گوشت اکثر حالات میں مُضَرّ صحت ہوتا ہے کیونکہ لازمی طور پر وہ کسی مرض یا ضعف سے مر گیا، یا پھر وہ جراثیم اس کی موت کا سبب بنے جنہیں آج کل مائیکروب (MICROBE: KIND OF BACTERIA) کا نام دیا جاتا ہے، وہ اس کے قوائے بدن میں مل گئے یا پھر اس جانور کے جسم میں کوئی زہریلا مادہ پیدا ہو گیا۔ مرض کے جراثیم (مائیکروب) مردہ کے جسم میں بھی ایک مدت تک زندہ رہتے ہیں۔ ویسے بھی طبائع سلیمہ اس سے چھٹی، اس کی کراہت کی وجہ سے پرہیز کرتی اور اُسے ناپاک شمار کرتے ہوئے اس سے نفرت کرتی ہیں۔

ہمارے علماء کے ہاں یہ چیز مشہور ہے کہ مردار کے ضرر کا سبب اس کی جسمانی رطوبتوں کا احتباس (اندر ہی گھٹ کر رہ جانا) اور خون کا اُس کی رگوں کے اندر اختقان (رگوں میں جم کر سوکھ جانا) ہے۔ اور جو جانور بتوں وغیرہ کیلئے ذبح لغیر اللہ ہے، اُس کی ممانعت دینی طور پر عقیدہ توحید کی حمایت کے لیے ہے کیونکہ یہ مشرکانہ فعل ہے اور ہر وہ شخص جو اپنے ذبیحہ پر غیر اللہ کا نام لے لے گویا اس چیز کی طرف تفریب عبادت چاہتا ہے جس کے نام سے اس نے ذبح کیا ہے۔ یہ غیر اللہ پر اعتماد اور افعال شرک میں سے ہے۔

وہ جانور جسے بت پرست، مرتد یا مجوسی وغیرہ ذبح کریں جن کا ذبیحہ حلال نہیں ہے، اُس میں ظاہر ہے کہ ان کے ذبائح کی حرمت کی حکمت تعبدی ہے جس کی ظاہری علت اور وجہ کا سمجھ میں آنا ضروری نہیں۔ مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل و اتباع کرے، چاہے اُن میں ممانعت کی کوئی حکمت ظاہر ہو یا نہ ہو کیونکہ اس عمل سے شریعت کا مقصود و مطلوب آزمائش ہے تاکہ ایسے امور پر عمل پیرا ہونے سے جن کی کوئی سمجھ نہ آ رہی ہو، بندے کی بندگی اور غلامی ظاہر ہو۔ کیونکہ جو معقول و مفہوم وجوہ والے امور ہوتے ہیں ان پر عمل پیرا ہونے کے لیے توطیع انسانی بھی تعاون کرتی اور اس کی طرف دعوت دیتی ہے لہذا اس سے خلوص عبودیت اور بندگی و غلامی ظاہر نہیں ہوتی۔ کیونکہ عبودیت کا ظہور صرف اس طرح ہو سکتا ہے کہ عبد کا عمل صرف معبود کی رضا کے لیے ہو نہ کہ کسی دوسرے معنی یا وجہ کے لیے۔ اور یہ اظہار عبودیت صرف تعمیل ارشاد اور محض امتثال امر سے ہی ممکن ہے نہ کہ فقط مانوس و معقول کام ہونے سے جس کی طرف عقل انسانی خود بخود ہی مائل ہو جاتی ہے، اور اسے اُس پر عمل پیرا ہونے کے لیے آمادہ و راغب کر دیتی ہے۔

اس سلسلہ میں عظیم محقق علامہ ابن قیم کا کلام گزر چکا ہے کہ جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا جائے یا مسیح و عزیر علیہما السلام جیسی غیر اللہ ہستیوں کا نام لیا جائے یا ذبح کرنے والا مجوسی و مرتد وغیرہ ہو تو یہ سب امور ذبیحہ میں خبث کو جنم دیتے ہیں جبکہ اللہ نے خباثت ہم پر حرام کی ہے اور موجب تحریم خبث کبھی ظاہر ہوتا ہے اور کبھی مخفی۔

محلی نظر استدلال:

شیخ ابن محمود نے اپنے رسالہ کے ص ۱۸ پر لکھا ہے:

”حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عمر و بن عاص رضی اللہ عنہما ایک حوض کے پاس پہنچے، اس کا مالک پاس ہی تھا، حضرت عمر و رضی اللہ عنہ نے

پوچھا: اے صاحبِ حوض! کیا اس حوض سے کتے اور درندے بھی پانی پیتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے کہا: اے صاحبِ حوض! ”ہمیں اس کی خبر نہ دینا۔ ہم کتوں اور درندوں کے بعد پیتے ہیں اور وہ ہمارے بعد آتے ہیں۔“

اس طرح حضرت عمر فاروقؓ نے پانی کو اسی طہارت کی حالت پر قائم رکھا جیسا کہ وہ پہلے تھا۔

انہوں (شیخ ابن محمود) نے اس سے کیمونسٹوں وغیرہ کے ذباح کی اباحت پر استدلال کیا ہے لیکن یہ استدلال محلِ نظر ہے کیونکہ پانی میں اصل طہارت ہے اور حیوانات میں اصل حرمت ہے جیسا کہ تفصیل گزر گئی ہے۔ پانی ذبح و تذکیہ کا محتاج نہیں بخلاف حیوانات کے۔ ان میں سے شرعی طریقہ کے ساتھ ذبح کیے بغیر گوشت کھانا مباح نہیں اور ذابح کے لیے ذبح کرنے کا اہل ہونا بھی ضروری ہے۔ اس طرح پانی کو اس کی اصل طہارت پر قائم رکھنے کے واقعہ سے ہر قسم کے ذبح کی اباحت پر استدلال کرنا بے محل ہے۔

ع آں چیزے دیگر است و ایں دیگرے

عام کفار و مشرکین کا ذبیحہ؟

ص ۱۹ پر ”کفار و مشرکین کے ذباح کا حکم“ کے عنوان سے لکھا ہے:

”یہ مسئلہ اُس جانور کی تحریم پر مبنی ہے جسے کافر و مشرک نے خود کھانے یا کسی کے اکرامِ تعظیم کے لیے ذبح کیا ہو۔ کیا مسلمان کے لیے اس کا کھانا حلال ہے یا نہیں؟ علماء اور مذاہبِ اربعہ کے آئمہ کے نزدیک کافر و مشرک کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں چاہے اُس نے ذبیحہ پر اللہ کا نام ہی کیوں نہ لیا ہو۔ کیونکہ اس کے تسمیہ (بِسْمِ اللّٰهِ، اللّٰهُ اَکْبَرُ کہنے) کو

بھی اُسی طرح ضائع سمجھا جائے گا جیسا کہ اُس کا عمل ضائع جاتا ہے۔ وہ ایسے ہی ہوگا جیسے اس پر اللہ کا نام لیا ہی نہیں گیا۔ مشرک کے ذبیحہ کا مباح نہ ہونا ایسی بات ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں رواج پاگئی تھی۔ اس وقت مجھے ایسی کوئی سند یا نام یاد نہیں آ رہا جس نے اس کی تحریم کے متعلق کچھ کہا ہو اور یہ بات اہل علم کو معلوم ہے کہ قول صحابی کے قابل قبول ہونے کی یہ شرط ہے کہ وہ نصِ صحیح کے مخالف نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے بھی کسی بات پر نزاع ہونے کی شکل میں اسے اپنی کتاب اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لے جانا واجب کیا ہے نہ کہ ان دونوں کے علاوہ کسی اور کے قول کی طرف۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک اور خاص طور پر سورۃ المائدہ کی آیت میں محرمات کا حصر و احاطہ کیا ہے جو نزول کے اعتبار سے قرآن کے آخر میں ہے۔ اس میں مُردار، خون، خنزیر، غیر اللہ کے نام ذبح کیے گئے، بوقتِ ذبح غیر اللہ کا نام لیے گئے اور تھانوں (مزاروں) پر ذبح کیے گئے جانور کے گوشت کی تحریم تو مذکور ہے مگر اُس گوشت کی تحریم کا ذکر نہیں جو کافر یا مشرک نے ذبح کیا ہو ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ ”اور تیرا رب بھولنے والا نہیں ہے۔“

اس عبارت سے شیخ ابن محمود اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ غیر کتابی، کافر و مشرک سبھی کا ذبیحہ بلا تفریق حلال ہے چاہے وہ بت پرست ہو، کیمونسٹ ہو یا کوئی بھی ہو۔ اور اس آیتِ ماندہ سے استدلال کر رہے ہیں جس میں ان اشیاء کا ذکر ہے جن کا کھانا حلال نہیں ہے۔ چنانچہ ارشادِ الہی ہے: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ الْخَبِيثُ﴾ اور وہ لکھتے ہیں کہ یہاں ان کفار و مشرکین کے ذبائح کی حرمت پر کوئی نص موجود نہیں ہے۔

حالانکہ خود ہی علماء اور مذاہبِ اربعہ سے ان ذبائح کی تحریم نقل بھی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ تحریم تو صحابہ کرام ؓ میں یونہی رواج پاگئی تھی۔

جب تمام علماء، مذاہبِ اربعہ کے آئمہ اور صحابہ کرام ؓ تحریم کے قائل ہیں تو پھر ان ذبائح کی اباحت کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اور تحریم کے قائلین نے ارشادِ الہی ﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ﴾ کے مفہوم سے استدلال کیا ہے کیونکہ اس میں صرف اہل کتاب کے ذبائح کی حلت کی تخصیص کی گئی ہے۔ اس آیت کا مفہوم اس بات پر دلالت ہے کہ اہل کتاب کے سوا کسی اور کا ذبیحہ ہمارے لیے حلال نہیں اور کثیر اہل علم نے غیر کتابی اور غیر مسلم کے ذبائح کی حرمت پر اجماعِ مسلمین نقل کیا ہے اور شاہی کسی نے اختلاف کیا ہے۔

مجوسی کا ذبیحہ؟

① امام ابنِ قدامہ:

امام ابنِ قدامہ نے کہا ہے: ”تمام اہل علم کا مجوسی (MAGICIAN) کے شکار اور ذبیحہ کی تحریم پر اجماع ہے سوائے ایسی چیزوں (مچھلی وٹڈی) کے جن میں ذبح کرنا نہیں ہوتا۔“

② امام قرطبی:

امام قرطبی نے کہا ہے: ”مجوسیوں (آتش و آفتاب پرستوں) کے بارے میں تمام علماء کا اجماع ہے کہ ان کے ذبائح نہیں کھائے جائیں گے اور نہ ہی ان کی عورتوں سے شادی کی جائے گی کیونکہ علماء کے مشہور قول کے مطابق وہ اہل کتاب نہیں ہیں۔“

③ امام ابن کثیر:

امام ابن کثیرؒ نے کہا ہے: ”مجوسیوں سے اگرچہ اہل کتاب کی طرح جو یہ لیا گیا ہے لیکن اُن کے ذبائح نہیں کھائے جائیں گے اور نہ ہی اُن کی عورتوں سے شادی کی جائے گی بخلاف ایک فقیہ امام ابو ثور کے جو اصحاب امام شافعیؒ میں سے ہیں۔ انہوں نے جب یہ اختلاف کیا اور لوگوں میں مشہور ہوا تو فقہاء نے ان کی تردید کی، حتیٰ کہ امام احمد نے تو یہاں تک کہہ دیا:

(أَبُو ثَوْرٍ كَاسِمُهُ يَعْْنَى فِي هَذِهِ الْمَسْئَلَةِ.)

”ابو ثور اس مسئلہ میں اپنے نام ہی کی طرح (اسم باسْمیٰ یعنی بیل) ہی ہے۔“

④ علامہ ابراہیم حربی:

علامہ ابراہیم حربیؒ کا کہنا ہے: ”ابو ثور نے اجماع کے خلاف بات کی ہے اور ہر وہ قول جس کی تائید میں کوئی دلیل نہ ہو، اُس کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔“

وَلَيْسَ كُلُّ خِلَافٍ جَاءَ مُعْتَبَرًا

إِلَّا خِلَافًا لَّهِ حَظٌّ مِنَ النَّظَرِ

”ہر اختلاف قابلِ اعتبار نہیں ہوتا، سوائے اُس کے جو اپنے اندر

فکر و نظر کے اطمینان کا سامان رکھتا ہو۔“

ایک متکلم فیہ روایت:

نبی اکرم ﷺ سے ایک روایت ہے:

((سَنُؤَابِهِمْ سُنَّةَ أَهْلِ الْكِتَابِ))

”ان مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب کا سا سلوک و رویہ اختیار کرو۔“

اس روایت پر کئی طرح سے کلام کیا گیا ہے۔

اولاً: حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت ثابت ہی نہیں۔ بس وہی ثابت ہے جو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوسیوں سے جزیہ لیا۔

ثانیاً: اگر اس حدیث کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کے عموم کو اس آیت ﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَّ لَكُمْ﴾ کا مفہوم مخصوص کر دیتا ہے کہ اہل کتاب کے علاوہ باقی تمام اہل ادیان میں سے کسی کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

ثالثاً: حدیث ((سَنَوَاهُمْ سُنَّةَ أَهْلِ الْكِتَابِ)) سے مراد یہ ہے کہ جزیہ لینے میں اُن کے ساتھ اہل کتاب کا سارو یہ اپناؤ، اُن کے ذبائح کو حلال سمجھئے اور ان کی عورتوں سے شادی کرنے میں نہیں۔

اس پر سُنن کبریٰ بیہقی کی وہ روایت دلالت کرتی ہے جس میں ہے:

((كَتَبَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَى مَجُوسِ هَجَرَ يَعْرِضُ عَلَيْهِمُ
الْإِسْلَامَ فَمَنْ أَسْلَمَ قَبْلَ مِنْهُ وَمَنْ أَبِي ضُرَيْبٍ عَلَيْهِ الْجَزِيَّةُ
عَلَى أَنْ لَا تُؤْكَلَ لَهُمْ ذَبِيحَةٌ وَلَا تُنْكَحَ لَهُمْ امْرَأَةٌ))

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس ہجر کی طرف مکتوب گرامی بھیجا جس میں انہیں اسلام کی دعوت دی۔ اُن میں سے جو اسلام لایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کیا اور جس نے انکار کیا اُس پر اس شرط کے ساتھ جزیہ عائد کر دیا گیا کہ اُن کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا اور نہ ان کی عورتوں سے شادی کی جائے گی۔“

امام بیہقی کہتے ہیں: ”یہ حدیث تو مُرسل ہے، لیکن اس مسئلے پر مسلمانوں کی اکثریت کا اجماع اس روایت کی تائید و تاکید کرتا ہے۔“

⑤ امام ابن تیمیہؒ:

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ”مجوسیوں کے متعلق کلام دو بنیادوں پر مبنی ہے:“
 ① ان میں ایک یہ ہے کہ مجوسیوں کے ذبائح حلال نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے گا۔ اور اس کی دلیل کئی وجوہ سے ہے:

پہلی دلیل:

یہ کہا جائے گا کہ مجوسی اہل کتاب میں سے نہیں اور جو اہل کتاب میں سے نہ ہوں ان کا ذبیحہ حلال نہیں، نہ ہی ان کی عورتیں۔ پہلے مقدمہ (مجوسیوں کا اہل کتاب نہ ہونا) میں شاذ ہی نزاع ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَكُمْ
 تُرْحَمُونَ ۝ أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أُنْزِلَ الْكِتَابُ عَلَى طَائِفَتَيْنِ مِنْ
 قَبْلِنَا وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ ۝﴾

(سورة الانعام: ۱۵۵-۱۵۶)

”ہم نے یہ کتاب مبارک نازل کی ہے۔ اس کی اتباع کرو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم رحم کیے جاؤ۔ تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے دو قوموں پر کتابیں اتاری گئی تھیں اگرچہ ہم اُن کے پڑھنے سے غافل ہیں۔“

ظاہر ہوا کہ قرآن ایسا کہنے کی کراہت، ممانعت اور مدافعت کرنے کے لیے اتارا گیا ہے۔ اگر دو جماعتوں (یہود و نصاریٰ) سے زیادہ پر کتاب اتاری گئی ہوتی تو یہ ارشاد الہی (نَعُوذُ بِاللَّهِ) جھوٹا ثابت ہوتا ہے اور اس کی ممانعت کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

دوسری دلیل:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَى
وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ﴾ (سورة الحج: ۱۷)

”بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے اور بے
دین و نصاریٰ و مجوس اور وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا بیشک اللہ تعالیٰ
قیامت کے دن انکے درمیان فرق کر دے گا۔“

اس میں اللہ تعالیٰ نے چھ قوموں کا ذکر کیا ہے۔ اور جہاں اُن قوموں کا ذکر کیا ہے
جن میں سے ایک خوش بخت قوم بھی ہے اُن دونوں جگہوں پر یوں ارشادِ الہی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِينَ مَنْ
آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾

(سورة البقرة: ۶۲، المائدہ: ۶۹)

”بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جو یہودی و نصرائی ہوئے اور
صابیوں سے جو اللہ اور روزِ جزاء پر ایمان لایا اور نیک عمل کیا۔“

ان دونوں جگہوں میں ہی مجوسیوں اور مشرکوں کا ذکر نہیں کیا۔ اگر ان دونوں
ملتوں میں سے بھی کسی ملت کا صابیوں، یہودیوں اور نصرائیوں کی طرح آخرت میں خوش
بختی کا کوئی شائبہ ہوتا تو اس کا بھی اللہ نے ذکر کر دیا ہوتا۔ ان کی بھی کوئی کتاب ہوتی تو نسخ
و تبدیل سے پہلے وہ ہدایت پر ہوتے اور اپنی شریعت پر عمل کرنے کی بدولت وہ بھی جنت
میں داخل ہوتے جیسا کہ یہود و نصرائی نسخ و تبدیل سے پہلے تھے۔

جب مجوسیوں کا ان ملتوں میں ذکر ہی نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ انہیں کوئی کتاب نہیں ملی بلکہ صابیوں کا ذکر بھی یوں ہی ہے کیونکہ ان کی بھی کوئی کتاب نہیں سوائے اس کے کہ وہ دونوں کتابوں والی قوموں میں سے کسی کے دین میں داخل ہوں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مجوسی تو کتاب سے ان صابیوں کی نسبت بھی بہت دور ہیں۔

تیسری دلیل: مسند احمد و ترمذی وغیرہ کتب حدیث، کتب تفسیر اور کتب مغازی میں ایک مشہور حدیث ہے کہ اہل فارس و روم میں جنگ ہوئی، جس میں اہل فارس کو غلبہ ملا تو مشرکین اس بات سے بہت خوش ہوئے کیونکہ وہ (اہل فارس مجوسی) اہل کتاب نہ ہونے کی بناء پر انہی کی جنس و قبیل سے تھے۔ اور اہل روم کی فتح و نصرت کے متعلق اللہ کی طرف سے صحابہ رسول ﷺ کو خوش خبری دی گئی کیونکہ نصاریٰ (اہل روم) اہل کتاب ہونے کی وجہ سے اُن کے قریب تر تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿الْمَۤ اٰ غُلِبَتِ الرُّومُ ۝ فِیْ اٰذْنِی الْاَرْضِ وَهُمْ مِنْۢ بَعْدِ غَلِبِهِمْ

سَیَغْلِبُوْنَ ۝ فِیْۤ بَضْعِ سِنِیْنَ﴾ (سورة الروم: ۱-۴)

”الف لام میم، قریبی علاقے (شام) میں رومی مغلوب ہو گئے اور اس

مغلوبیت کے جلد بعد چند ہی سالوں میں وہ غالب ہو جائیں گے۔“

یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک مجوسیوں کی کوئی کتاب نہ تھی۔

چوتھی دلیل: تابعین میں سے حضرت حسن بن محمد بن حنفیہ وغیرہ سے مروی حدیث میں ہے:

((اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اَخَذَ الْجَزِیَّةَ مِنَ الْمَجُوسِ وَقَالَ:

سَنُؤَابِهِمْ سُنَّةَ اَهْلِ الْكِتَابِ غَيْرِنَا كِحٰی نَسَآئِهِمْ وَلَا اٰكِلٰی

ذَبَآئِحِهِمْ))

”نبی اکرم ﷺ نے مجوسیوں سے جزیہ لیا اور فرمایا: ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے اور ان کے ذبائح کھانے کے سوا ان کے ساتھ اہل کتاب کا سارو یہ اختیار کرو۔“

یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے اس کی موافقت موجود ہے اور اختلاف کسی سے بھی ثابت نہیں۔ اور اس مُرسل پر تمام اہل علم نے عمل کیا ہے۔ علماء کے ایک قول کی رو سے مُرسل حدیث جُت ہوتی ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد کی ایک روایت میں ہے۔ دوسری روایت میں وہ (امام احمد) کہتے ہیں کہ مُرسل اُس وقت جُت ہے جب جمہور اہل علم کا قول اور قرآن کا ظاہر اس کے معاون ہوں یا کسی دوسری وجہ سے مُرسل ہو۔ اور یہی امام شافعی کا بھی قول ہے۔ ایسی مُرسل حدیث با اتفاق علماء جُت ہوتی ہے۔ اور اس مسئلہ میں یہ مُرسل نص ہے۔

ایک ٹہبہ:

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”ان مجوسیوں کی بھی کتاب تھی مگر وہ اٹھالی گئی۔“

اس کا ازالہ:

اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت کو امام احمد وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور اگر اسے صحیح تسلیم کر ہی لیا جائے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے پاس کتاب تھی مگر وہ اٹھا لی گئی نہ کہ اس وقت تک اُن کے پاس موجود ہے۔ اس طرح یہ صحیح نہیں ہوگا کہ وہ لفظ ”اہل کتاب“ میں داخل سمجھے جائیں جبکہ اُن کے پاس مبدل، غیر مبدل، منسوخ، غیر منسوخ کوئی بھی کتاب موجود نہیں ہے۔

اُن کے پاس کتاب تھی جو اٹھالی گئی تو اب ان کے پاس حُثْبہ کتاب بچ گیا۔ اور یہ مقدار جو یئے کے عوض صرف ان کے خون سے مسلمانوں کو روکنے میں مؤثر ہے جبکہ جو یہ کے معاملہ میں انہیں اہل کتاب کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے مگر عورتوں اور ذبائح کی حلت صرف اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ اور نبی ﷺ سے جو ((سَنُؤَابِهِمْ سُنَّةَ أَهْلِ الْكِتَابِ)) کے الفاظ وارد ہوئے ہیں وہ اس بات کی دلیل ہیں کہ وہ اہل کتاب میں سے نہیں بلکہ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ خاص طور پر جو یہ لینے کے معاملے میں اُن کے ساتھ اہل کتاب کا سا سلوک اپناؤ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اختیار فرمایا اور وہ ان الفاظ سے اس حکم کے علاوہ کچھ نہ سمجھے۔ اور تعبہ دی طور پر ((غَيْرَنَا كِحِي نِسَائِهِمْ وَلَا آكِلِي ذَبَائِحِهِمْ)) کے الفاظ بھی روایت کیئے گئے ہیں۔

سابقہ کلام سے یہ ثابت ہوا کہ تمام علماء کرام کے نزدیک مجوسی اور اُن کے مشابہ وشی و مشرک جو اہل کتاب میں سے نہیں ہیں، اُن لوگوں کے ذبائح حرام ہیں۔ صرف ایک امام ابو ثور ہیں جنہوں نے مجوسی کے ذبائح کی اباحت کا کہا ہے لیکن اس پر اُن کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ جبکہ غیر مسلم اور غیر کتابی کے ذبائح کی تحریم کے متعلق تو نص صریح موجود ہے۔ امام دارقطنی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے:

((نَهَى عَنْ ذَيْحَةِ الْمَجُوسِ وَصَيْدِ كَلْبِهِ وَطَائِرِهِ))

”نبی ﷺ نے مجوسی کے ذبیحہ، اس کے کتے اور پرندے (باز) کے

شکار کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔“

مصنف عبد الرزاق میں بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی ان الفاظ میں روایت ہے:

((لَا تَأْكُلُ صَيْدَ كَلْبِ الْمَجُوسِيِّ وَلَا مَا أَصَابَ سَهْمُهُ))

”مجوسی کے کتے اور اس کے تیر کے شکار کا گوشت نہ کھاؤ۔“

امام عبدالرزاق نے قیس بن سکن سے بھی ایک روایت نقل کی ہے جس میں وہ

کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((اِنَّكُمْ نَزَلْتُمْ اَرْضًا لَا يَغْصِبُ بِهَا الْمُسْلِمُونَ، اِنَّمَا هُوَ النَّبِطُ

اَوْ قَالَ النَّبِيطُ وَفَارِسٌ فَاِذَا شَرَيْتُمْ لَحْمًا فَاسْتَلُوا، فَاِنْ كَانَ

ذَبِيحَةً يَهُودِيٍّ اَوْ نَصْرَانِيٍّ فَكُلُوْا، فَاِنْ طَعَامُهُمْ حِلٌّ لَّكُمْ))

”تم ایسی زمین پر اترے ہو جو مسلمانوں کے قبضہ میں نہیں بلکہ یہ

نبطی۔ یا نبطی کہا۔ اور قوم فارس ہیں۔ لہذا جب بھی تم گوشت خریدو تو

پوچھ لیا کرو، اگر یہودی یا نصرانی کا ذبیحہ ہو تو کھا لو کیونکہ ان کا ذبیحہ

تمہارے لیے حلال ہے۔“

اور حضرت قتادہ نے کہا ہے:

(لَا بَاسَ بِكُلِّ طَعَامٍ الْمَجُوسِيِّ مَا خَلَا ذَبِيحَتِهِ)

”مجوسی کے ذبح کردہ گوشت کے سوا ان کا دوسرا کھانا کھانے میں کوئی

حرج نہیں ہے۔“

شیخ ابن محمود نے اسی ص ۱۹ پر لکھا ہے:

”بہر حال میں اس سلسلہ تحریم میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور اتباع صحابہ

(تابعین رحمہم اللہ) کے ساتھ ہوں جس میں انہوں نے مشرک وثنی

کے ذبیحہ کو حرام قرار دیا ہے جیسا کہ اُن سے مشہور ہے۔“

یہاں اپنے ہی اُس قول کی مخالفت کی ہے جو رسالہ کے مقدمہ میں ہے جس میں کیمونسٹوں

کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا ہے اور حرام اشیاء کا حصر و احاطہ کرتے ہوئے آیت ﴿حُرِّمَتْ

عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ﴾ کے تحت کہا ہے: ”کافر کا ذبیحہ مطلقاً اس میں نہیں آتا۔“

لہذا چند سطروں کے بعد یہ کہا ہے:

”کتاب وسنت سے دلائل کی تلاش وتتبّع کے باوجود مجھے ایسی کوئی قابل

اعتماد بنیاد نہیں مل سکی جس کی رو سے کافر کے ذبیحہ کی تحریم ثابت ہو۔“

حالانکہ ہم نے ارشادِ ربّانی ﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَلٌ لَّكُمْ﴾ کے مفہوم سے اس کی دلیل بیان کی ہے اور اس کے متعلق اہل علم کا اجماع اور اس پر دلالت کرنے والے آثار بھی ذکر کر دیئے ہیں۔

ایک باطل استدلال:

ص ۲۰ پر سورة الانعام کی یہ آیت لکھی ہے:

﴿قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا
أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ
أَوْ فِسْقًا أُهْلًا لِّغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ (سورة الانعام: ۱۴۶)

”فرما دیجئے کہ جو کچھ مجھ پر وحی ہوا ہے اس میں سے میں کھانے والے پر
کوئی چیز حرام نہیں پاتا سوائے مردار، دم مسفوح اور لحم خنزیر کے۔ بے شک
یہ ناپاک ہے، یا پھر فسق ہے جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔“

اس آیت کو نقل کرنے کے بعد شیخ ابن محمود کہتے ہیں:

”یہ آیت مذکورہ اشیاء کی تحریم پر محیط ہے۔ ان کے علاوہ کسی چیز کو حرام

قرار دینا محتاج دلیل ہے“

یہ ان کا اس آیت سے کفار و مشرکین کے ذبائح کی اباحت پر استدلال ہے جو کہ باطل ہے۔
یہ آیت مکئی ہے۔ اس کے بعد کئی آیات نازل ہوئیں جو غیر اہل کتاب کے ذبائح کی تحریم
بیان کرتی ہیں۔ مثلاً ارشادِ الہی ہے:

﴿وَطَعَامُ الذِّينِ أَوْتُوا الْكِتَابَ حَلْلٌ لَّكُمْ﴾

”اور اہل کتاب کا طعام (کھانا) تمہارے لیے حلال ہے۔“

یہ آیت اہل کتاب کے ذبائح کی اباحت پر دلالت کرتی ہے۔ اسی سے ان کے علاوہ دیگر لوگوں کے ذبائح کی حلت کی نفی ثابت ہوتی ہے ورنہ پھر اس آیت میں اہل کتاب کی تخصیص کا کوئی معنی ہی نہ ہوگا۔

ایسے ہی بعض جانوروں کی تحریم کے متعلق صحیح و ثابت احادیث اُن پر مستزاد ہیں جن پر آیت الانعام دلالت کرتی ہے۔ اُس آیت میں اُن چیزوں کا ذکر ہے جو اُس کے نزول کے وقت حرام ہوئیں اور آئندہ حرام کی جانے والی اشیاء کی نفی نہیں ہے، لہذا بعد میں حرام ہونے والی اشیاء اور اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

اس آیت کے نزول کے وقت صرف یہ چیزیں ہی حرام کی گئیں اور تحریم کا سلسلہ آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے پالتو گدھوں، کچلیوں والے درندوں اور بچہ مار کر کھانے والے پرندوں کی حرمت پر نص موجود ہے۔ اور ایسے ہی کئی دیگر جانوروں کے متعلق صحیح احادیث ثابت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿فَإِنَّهُ رِجْسٌ﴾ میں جو وصف بیان کیا گیا ہے یوں تو وہ ہر حرام چیز کو شامل ہے کہ بلاشبہ تمام حرام اشیاء نجس و خبیث ہیں لیکن یہ (خزیر) آجٹ الخبائث ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں پر اس لیے حرام قرار دیا ہے تاکہ وہ تکریم و شرف کے لیے مُضَرّ و نازیبا اور نجس و خبیث اشیاء سے بچ جائیں۔

حرام کی گئی نجس اشیاء کی تفصیل کا حصول سنت (حدیث رسول ﷺ) سے ہوگا کیونکہ وہ قرآن کی تفسیر کرتی اور اس کے مقصود کو بیان کرتی ہے۔

وَهَذَا آخِرُ مَا تَيْسَّرَ جَمْعُهُ
وَاللَّهُ الْمُوفِّقُ وَالْهَادِي إِلَى سَوَاءِ السَّبِيلِ
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ أَوَّلًا وَآخِرًا
وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى رَسُولِهِ وَسَلَّم

ابوعدنان محمد منیر قمر نواب الدین

ترجمان سپریم کورٹ، الخبر ۳۱۹۵۲

وداعیہ متعاون مراکز دعوت و ارشاد الخبر،

الدام، الظہر ان (سعودی عرب)